بسم اللہ

نگار

فہرست مضامین ماہ جون ۱۹۳۰ء

ملاحظات	۲
آصفی نظامیؒ — خان امتیاز علی عرشی	۹
وزیر حربیہ (افسانہ) سید علی اکبر کاظمی بی اے	۲۵
قرآن کے لطائف ادبی — عبد المالک آروی	۴۱
شاہ نظام الدین اولیاء کی ایک تصنیف ۔ نقاد	۵۵
باب المراسلة والمناظرة	۶۶
باب الاستفسار	۷۴
محلہ کی رونق	۸۱
منظومات :- شیمی - امین / جگر - اختر / طالب - جمیل	۸۶
غزلیات :- افسر - ریاض / شیمی - فرخ	۹۲
معلومات	۹۴-۹۶

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

جلد - ۱۷	جون سنہ ۱۹۳۰ء	شمارہ - ۶

ملاحظات

جب کوئی ملک نہضت وارتقا، کی طرف قدم اُٹھاتا ہے، تو مخالف قوتون کا متصادم ہونا متضاد عناصر کا باہمدگر متضارب ہوکر بڑھتے ہوے قدم کو روکدینا، .... دنیا کا کوئی نیا تجربہ نہین۔ زمانۂ قدیم کی تاریخ مین بھی اس کی متعدد مثالین ملتی ہین اور زمانۂ حال مین تو ہر ملک اسی دور سے گزر رہا ہے یا گزر چکا ہے۔ یورپ مین، روس، جرمنی، ترکی کے انقلابات اور بلاد مشرق مین، افغانستان کے کوائف، چین کی بے چینیان، اور ہندوستان کا اضطراب ہر شخص کے سامنے ہے۔ جو ہو چکا اس کی داستان سب کو معلوم ہے اور جو ہونے والا ہے وہ دیدۂ بصیرت واعتبار سے مخفی نہین

اس لئے اگر سرزمین ہند آج اپنی بہت سی امیدون کے ساتھ کچھ مایوسیان بھی رکھتی ہے، تو حیرت نہ کرنا چاہیے اور اگر راہ مین خار دار جھاڑیان دامن کو آسانی کے ساتھ گزرنے نہین دیتین، تو اس کو خلاف اندیشہ نہ جاننا چاہیے

کہا جاتا ہے کہ آزادیِ ہند کے لئے سب سے بڑا مانع یہان کی اقوام کا تنوع، یہان کے مذاہب کی کثرت ہے۔ اور موجودہ حالات کے لحاظ سے اس کو درست تسلیم کرنا پڑیگا، لیکن حقیقت واصول کا جہانتک تعلق ہے مین ماننے کے لئے طیار نہین کہ ہندوستان مین اقوام کا تنوع پایا جاتا ہے یا یہ کہ مذاہب کی کثرت کا یہ ضروری نتیجہ ہے۔ اُس کو مین خلاف حقیقت کہتا ہون اور اس کو خلاف اصول۔

"قوم" کس کو کہتے ہین؟ قوم نام ہے ایک جماعت کا جس کے افراد بہ لحاظ تمدن ومعاشرت بہ نظر امیال وعواطف

بہ اعتبار ذوق ومزاج ایک طرح کی یکسانیت رکھتے ہین اور انکا باہم ملکر زندگی بسر کرنا بغیر جذبات کو صدمہ پہونچائے ممکن ہے۔ پھر چونکہ انسانی طبائع صرف ملک کی آب وہوا، ملک کی پیداوار اور ملک کی اقتصادی کیفیت کے ماتحت بنتے ہین، اس لئے ہندوستان کے کسی باشندہ کا یہ کہنا کہ اس کی قومیت دوسرے باشندہ سے علیحدہ ہے، بالکل خلاف حقیقت ہے۔ وہ لوگ جو ہندوستان مین پیدا ہوئے، یہان کی آب وہوا مین جنھون نے پرورش پائی، یہان کے اقتصادی حالات کے ماتحت جنکی تربیت ہوئی، وہ اپنے آپ کو ایک دوسرے سے کس اصول کی بنا پر جدا کہہ سکتے ہین اور اگر کہین تو کون صحیح الدماغ اسے باور کر سکتا ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ملک کے مختلف حصون کے لوگ ذوق وطبائع مین تھوڑا سا اختلاف رکھین، لیکن یہ اختلاف اسقدر اہم نہین ہوسکتا کہ قومیت کو بدلدے۔ یوپی کا باشندہ، پنجاب کے رہنے والے سے، بنگال کا انسان مدراس کے باشندہ سے یقیناً کچھ نہ کچھ اختلاف ضرور رکھتا ہے، لیکن مین یہ ماننے کے لئے طیار نہین کہ ان سب کا اجتماع متضاد عناصر کا اجتماع ہے۔ میرے نزدیک ہر وہ شخص جو ہندوستان کا باشندہ ہے ایک ہی قوم سے وابستہ ہے جس کا نام صرف ہندی یا ہندوستانی ہونا چاہئے، اور مختلف صوبون کے لوگون کا اپنے آپ کو مختلف قومیت سے نامزد کرنا، نہ صرف تمدن واقتصاد، بلکہ خود قدرت وفطرت کے مقصود کے خلاف ہے اگر نظر انصاف سے کام لیا جائے

اب سوال یہ ہے کہ اگر حقیقتاً ہندوستان کی آبادی ایک ہی سرزمین پر سانس لینے کی وجہ سے اور ایک ہی ملک کی آب وہوا مین پیدا ہونے، بڑھنے جینے اور مرنے کے سبب سے، ایک ہی قوم کہلائے جانے کی مستحق ہے، تو پھر لوگون مین یہ اختلاف کیون ہے اور وہ کیون اپنے آپ کو مختلف اقوام سے تعبیر کرتے ہین؟ - اس کا جواب اتنا ہی آسان ہے، جتنا اسپر عمل کرانا دشوار ــــ مین نے اس سے قبل عرض کیا تھا کہ ترقی ملک کی مانع دو چیزین ہین ایک اقوام کا تنوع جس کی حقیقت بیان ہوچکی اور دوسرے مذاہب کا اختلاف اور حقیقتاً یہی دوسری چیز ہے جسنے ہماری قومیت ووطنیت کو تباہ کیا اور جسنے ہم قوم ہونے کے مفہوم کو بالکل بدلدیا ہے

لوگ ہمیشہ سے اس غلطی مین مبتلا ہین کہ نوع انسان کی ترقی کا انحصار مذہب پر ہے اور مذہب ہی اصل چیز ہے جس کے مقابلہ مین ملک ووطن کا رشتہ کوئی حقیقت نہین رکھتا، حالانکہ انھون نے کبھی اس امر پر غور نہین کیا کہ مذہب کا رشتہ تو اسقدر نازک ہے کہ اعتقاد کی ذرا تبدیلی سے وہ ٹوٹ کر پارہ پارہ ہو جاتا ہے، برخلاف رشتۂ وطنیت کے کہ وہ ہر حال مین اور ہر جگہ قایم رہنے والی چیز ہے ایک مسلمان عیسائی ہونے کے بعد جماعت اسلام سے علیحدہ ہوسکتا ہے لیکن اُسکے ہندوستانی ہونے سے کسی کو انکار نہین ہوسکتا ــــ اس لئے میرے نزدیک اصل خرابی یہ ہے کہ لوگ خواہ وہ ہندو ہون یا مسلمان عیسائی ہون یا موسائی، ہمدردی وتعاوُن کی بنیاد مذہب کے رشتہ پر قایم کرتے ہین اور ملک ووطن اُن کے سامنے کوئی چیز نہین ہے ۔ ممکن ہے ایک شخص یہ کہے کہ مذہب کا رشتہ وطنیت کے تعلق سے بہت زیادہ وسیع ہے کیونکہ وہ ایک ملک سے دوسرے ملک بلکہ سارے کرۂ ارض تک وسیع ہوسکتا ہے لیکن اس کا یہ کہنا

اول تو محض امکانی صورت رکھتا ہے اور دوسرے یہ کہ نظم سیاسیات کے لحاظ سے ناقابل لحاظ ہے۔ ہیئت اجتماعی کی تشکیل اور کسی غرض مشترک کے ساتھ تمرکز خیال کے لئے ہمیشہ اول کسی محدود رقبۂ زمین کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر بعد کو اس مین وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہم مذہب کو اس کی بنیاد قرار دینگے تو ایک ملک کے اندر بھی ہم مرکزیت عامہ پیدا نہین کر سکتے، چہ جائیکہ دوسرے ممالک کو اس مین شریک کیا جائے۔ البتہ اگر قومیت و وطنیت کا جذبہ قوی ہو گیا تو اسکا مفہوم یہ ہوگا کہ ہم مین ایک اعتبار سے اخوت عامہ قایم کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی جس کو ہم بہت زیادہ وسیع بنا سکتے ہین۔ حتی کہ اپنا وطن بجائے کسی مخصوص سرزمین کے سارے کرۂ ارض کو قرار دے سکتے ہین اور ہر ملک و قوم کے انسان کو اس تعلق سے اپنا بھائی سمجھ سکتے ہین۔

بہرحال مین یہ نہین کہتا کہ مذہب غیر ضروری چیز ہے یا یہ کہ مذہب کا خیال ہی اصولاً ناواجب ہے۔ لیکن اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ آج نہ مذہب کے مفہوم سے کوئی واقف ہے اور نہ اس کی صحیح تعلیم دنیا مین باقی ہے۔ اگر کوئی مذہب ایسا ہے جو بنی نوع انسان کے ساتھ محبت و ہمدردی کا درس نہین دیتا جو ابناء جنس مین باہم خلوص و رافت کا جذبہ پیدا نہین کرتا، تو میرے نزدیک وہ مذہب بالکل لغو ہے اور اس کی تعلیم دینے والے یکسر گمراہ۔ لیکن جس طرح مین یہ جانتا ہون کہ مذہب ہونے کی حیثیت سے دنیا کے تمام مذاہب ایک ہین اور انکا مقصود سوائے اس کے کچھ نہین کہ نوع انسانی ترقی کرے اور دنیا امن و سکون سے آشنا ہو، اسی طرح مین اس سے بھی واقف ہون کہ علمبرداران مذہب، اور رہنمایان مذہب جن کی گمراہ کن تعلیم کو ہملوگون نے عین مذہب سمجھ لیا ہے، وہ یہی پسند کرتے ہین کہ انسان ہمیشہ دور جہل و انحطاط مین زندگی بسر کرے اور کرۂ ارض کبھی فتنہ و فساد سے خالی نظر نہ آئے۔

اس لئے ہماری موجودہ مشکلات کا سبب نہ حقیقتاً یہ ہے کہ ملک مین مختلف اقوام کی کثرت ہے اور نہ یہ کہ متعدد مذاہب یہان پائے جاتے ہین، بلکہ اس کا سررشتہ اُن جاہل مولویون، اُن ہٹ دھرم پنڈتون کے ہاتھ مین ہے، جنھون نے اپنی بلید ذہنیت، اپنی تنگ نظری اور ابلیسانہ فطرت سے مجبور ہوکر قومیت و مذہبیت دونون کا مفہوم نفسانیت و عصبیت قرار دیدیا ہے اور جن کے ہان انسان کا اولین و آخرین فرض صرف یہ ہے کہ وہ مخصوص مراسم عبودیت ادا کر لیا کرے، خواہ اخلاق و اطوار کے لحاظ سے وہ کتنا ہی درندہ کیون نہ ہو۔

مجھے ہندوؤن کے علماء مذہب کا حال نہین معلوم کہ انکا کتنا اور کس قسم کا اثر لوگون پر قایم ہے، لیکن مسلمان جماعت کا حال مجھے ضرور معلوم ہے اور مین وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہون کہ ہمارے ہان تمام خرابیون کا سبب صرف علماء کی ذات گرامی ہے اور انھون نے ہمارے ذہن و دماغ ہمارے اخلاق و عادات کے بگاڑنے مین کوئی دقیقہ کوشش کا نہین اُٹھا رکھا۔ انھون نے بجائے مذہب کے ہم کو صرف رسم و رواج کا پابند بنایا، انھون نے مذہب کی حقیقی روح سے بیگانہ کر کے ہم کو عصبیت و تنگ نظری کی تعلیم دی اور انھون نے ہمیشہ وہی درس ہمکو دیا جو وطنیت کے جذبہ کو خاک مین ملا دینے والا تھا

انھون نے ہمکو تمام عمر کفر و اسلام کی نزاع، مسجد و مندر کی تفریق، ارتھی و تابوت کے جھگڑون مین پھنسائے رکھا اور کبھی اسلام کے اُس مفہوم سے آشنا نہین کیا جو ساری دنیا کے افراد کو ایک رشتہ سے وابستہ کر دینے والا ہے۔ یہانتک کہ اگر آج کوئی شخص مجھ سے دریافت کرے کہ اصلاح ملک و قوم کی بہترین تدبیر کیا ہے تو مین صرف یہی کہونگا کہ بلا امتیاز و تفریق اس جماعت کے ایک ایک فرد کو منہدم کر دینا چاہئے اور ان کے ہاتھون سے وہ اقتدار چھین لینا چاہئے جس کے بدولت یہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہنے والے اس وقت تک "خدائی" کرتے چلے آئے ہین۔ ان مین سے "سو" و "خیر" کا انتخاب، نسیہ و نقد کے امتیاز مین نہ صرف وقت ضائع کرنا ہے بلکہ بڑی حد تک خطرناک بھی ہے کیونکہ اگر ہمکو کوئی ایسا ظرف دیدیا جائے جس مین ۹۹ سانپ ہون اور ایک مچھلی اور اس کے اندر ہاتھ ڈالکر مچھلی نکال لینے کا اختیار دیا جائے تو ہمارے لئے چارۂ کار سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ ہم اس ظرف ہی کو زمین مین دفن کر دین اور ایک مچھلی کی جستجو مین ۹۹ سانپون سے ڈسے جانے کے خطرہ کو منظور نہ کرین۔

ایک مولوی تبلیغ اسلام کے نام سے جمعیۃ قایم کر کے مسلمانون کی موجودہ بے معنی جماعت مین اُسی بے معنی ذہنیت رکھنے والے افراد کا اضافہ کر سکتا ہے، خلافت کی لغو و بے بنیاد تحریک کو قائم رکھنے مین وہ قرآن و حدیث کے سارے دفتر کو ہر مہمل تاویل کے ساتھ پیش کر سکتا ہے، وہ دیوبند مین بیٹھکر خدا اور رسول کے بہانے سے ہر طاغوتی قوت کو بروئے کار لا سکتا ہے، وہ فرنگی محل مین بیٹھکر اپنے آپ کو دین کا "والی و قطب" ظاہر کرتے ہوئے صرف عرب و فلسطین کی سیاسیات مین دلچسپی لینے کی تعلیم بانوں کو دے سکتا ہے۔ لیکن اس کو یہ سلیقہ کبھی حاصل نہین ہو سکتا کہ وہ ملک کے فلاح پر غور کرے۔ وطن کی سیاسی اقتضاء کو سمجھے اور اس ایثار و قربانی کا درس دے جس کو سب سے زیادہ اسلام ہی نے سمجھا اور سمجھایا۔

لفظ "مسلمان" دنیا مین صرف ایک ہی مفہوم کے ساتھ پیش کیا گیا تھا اور وہ مفہوم "بہترین انسان اور بہترین متمدن" ہونے کا تھا، لیکن آج یہ علمبرداران اسلام، یہ حاملان مذہب اپنے اقوال و افعال سے، اپنی گفتار و کردار سے اسکا مفہوم یہ بتا رہے ہین کہ نہین "مسلمان" وہ ہے، جو انتہا درجہ کا تنگ نظر ہو حد درجہ کا خود غرض ہو اور بے انتہا کمزور و بزدل بھی ہو یعنی اس کا ذریعۂ فخر بلندی اخلاق و پاکیزگی سیرت نہین رہا، بلکہ اس کی پہچان اب صرف یہ رہگئی ہے کہ خدا کی عبادت کی جگہ وہ صرف محراب و منبر کی پوجا کرتا ہو، قرآن کے الہامی ہونے کے ثبوت مین وہ اس کی بلند تعلیم پیش کرنے کے بجائے معجزۂ شق القمر اور فصاحت و بلاغت کا ذکر کرتا ہو اور اپنے سوا سب کو کافر ملحد مشرک اور ناری بتاتا ہو۔ حالانکہ اس غریب کو یہ خبر نہین کہ ذہنیت کا یہی وہ دور ہے جو "فی الدرک الاسفل من النار" سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہی وہ منزل انحطاط ہے جہان پہونچنے کے بعد "علی شفا حفرۃ من النار" کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔

اس کے یہان "دعوۃ الی الخیر" کے معنی صرف یہ ہین کہ جہانتک ممکن ہو "مولوی" کی دعوت کرو اور عمدہ غذاؤن سے قربانی کے بکرے کی طرح اسکو موٹا کرو، حالانکہ حقیقی قربانی کے لئے کبھی اس کی گردن جھکنے والی نہین اس کے وعظ مین "امر بالمعروف"

کا مفہوم یہ ہے کہ جو مشہور مولوی کہے بلا سوچے سمجھے، بلا غور و فکر صحیح مان لو، گو وہ تمام عمر تمھیں غلطیون مین مبتلا رکھے۔ اور اسکے نہی عن المنکر کی تبلیغ اس سے زیادہ نہین کہ نماز کے وقت ناقوس کی آواز نہ بلند ہونے دو، مسجد کے سامنے سے باجہ نہ گزرنے دو اور اگر وہ بہت ہی ردی قسم کا مولوی ہے تو یہ بھی کہہ گزرتا ہے کہ داڑھی نہ منڈاؤ، کوٹ پتلون نہ پہنو۔ الغرض نہ اس کی سیرت ایسی ہے کہ ہم اس کو دیکھ کر اپنی زندگی کی کوئی شاہراہ قائم کر سکین اور نہ اس کے اقوال مین کوئی ایسی حکمت مضمر ہے جو ہماری تمدنی زندگی اور ہماری انسانی خصوصیات کے لئے مفید و کار آمد ثابت ہو۔

آج ہندوستان جس دور اضطراب سے گزر رہا ہے وہ کسی سے مخفی نہین اور مسلمانون کی جماعت اپنے قائدین و علماء سے مستفسر ہے کہ وہ کیا کرے، لیکن مولوی کو کہان فرصت کہ وہ تبلیغ، خلافت اور فلسطین کے لایعنی قصون کو ترک کر کے اس جانب متوجہ ہو۔

جمعیۃ العلماء کے جس گروہ نے آزادی ملک کے نصب العین کو سامنے رکھ کر تحریک کانگرس مین شرکت کا رزولیوشن پاس کیا ہے، اس کی حقیقت بھی سب کو معلوم ہے اور جس جماعت نے اس کی مخالفت مین آستانۂ حکومت پر جبہ سائی کو ترجیح دی ہے، اس کا حال بھی کسی سے مخفی نہین۔ کیونکہ نہ اُس جماعت مین یہ ہمت و جرات ہے کہ عملاً وہ اس تحریک کو بار آور بنائے اور نہ اس مین یہ سلیقہ کہ حکومت ہی سے کوئی جایز یا ناجایز فائدہ اُٹھا سکے۔ بہرحال مسلمانون کو جان لینا چاہیے کہ اسوقت ان کی جماعت مین کوئی قاید و رہنما کوئی مولوی اور مولانا اس قابل نہین ہے کہ اس کے اقوال و افعال پر اعتماد کیا جائے اور اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر شخص اپنی جگہ خود غور کرے کہ اُسے کیا کرنا چاہئے اور یہ کہ ہندوستان کے ساتھ رشتۂ طینت قائم رکھنے کے بعد عقل و فراست کا کیا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ تاریخ کا فیصلہ اس باب مین ہمیشہ یہی ہوا ہے کہ ساحل تک پہونچنے والے وہی لوگ ثابت ہوئے ہین، جنھون نے مضطربانہ ہات پانون مارے اور جنھون نے اپنے آپکو طوفان کے رحم پر چھوڑ دیا وہ ایسے غرق ہوئے کہ پھر انھین ابھرنا نصیب نہ ہوا۔

ہلوگون کی ادنیٰ ذہنیت اور سطحی مذہبیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحب حافظ عزیز احمد (اہلمد جوڈیشل حیدر گڈھ ضلع بارہ بنکی) ۲۳ مئی کے ہمت مین "مادر زاد حافظ" کے عنوان سے ایک مراسلہ شایع کراتے ہین کہ موضع رونی تحصیل حیدر گڈھ مین کسی نداف کا لڑکا ہے جسکی عمر ۹ سال کی ہے اور جو حافظ پیدا ہوا ہے، یعنی اس نے کہین کوئی تعلیم حاصل نہین کی لیکن قرآن اس کو حفظ ہے اور متعدد اصحاب کے سامنے امتحان لینے سے اس کی تصدیق ہو گئی ہے۔ مراسلہ نگار نے لڑکے کی اس صفت و کیفیت کا نام "کرامت" رکھا ہے اور اس لڑکے کا "مادر زاد ولی"۔ صاحب موصوف فرماتے ہین کہ "قدرت نے بسا اوقات طرح طرح کی کرامتین اپنے بندون کے ذریعہ سے ظاہر کی ہین اور منجملہ اُن کے ایک یہ بھی ہے"

اس مراسلہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسلمانون مین کرامت و ولایت کا کیا مفہوم ہے اور وہ کسقدر اوہام

پرستی مین مبتلا ہین - مجھے اندیشہ ہے کہ یہ واقعہ جس سے حافظ عزیز احمد استحکام ایمان کا کام لے رہے ہین، کہین "تناسخ" کے ثبوت مین نہ پیش کر دیا جائے جس کا خیال کرنا بھی ایک مسلمان کو جہنمی بنا دینے کے لئے کافی ہے - کیونکہ اس سے قبل متعدد بار اسی طرح کے صاحب کرامات لڑکے ہندؤن کے یہان بھی پیدا ہو چکے ہین جو بجائے حافظ قرآن ہونے کے بڑے وید انت تھے اور ان واقعات کو اُن کی طرف سے تناسخ کے ثبوت مین پیش کیا جا چکا ہے -

---

گزشتہ ماہ کے اندر علیا حضرت سلطان جہان بیگم، فرمانروائے بھوپال کی والدۂ محترمہ کا انتقال، ایک ایسا سانحہ ہو گیا ہے کہ بقول سعدی

آسمان را حق بود گر خون بہ گرید بر زمین

ہر چند علیا حضرت اپنی عمر طبیعی کو پہونچ چکی تھین، لیکن ان کی موت یقیناً غیر طبیعی طور پر ہوئی یعنی یہ کہ زیر ناف آپریشن کیا گیا اور قلب نے اس کا متحمل نہ ہو کر حرکت بند کر دی - علیا حضرت جن خصوصیات کی مالک تھین وہ ملک کے کسی فرد سے پوشیدہ نہین - آپ کی علم پروری، آپ کا پاکیزہ اخلاق آپ کی خالص مذہبی زندگی اور پھر ان سب سے زیادہ ملک و قوم اور خصوصیت کے ساتھ طبقۂ نسوان کی فلاح و بہبود کے لئے ہر وقت آپ کا منہمک رہنا، یہ وہ باتین تھین، جنھون نے آپ کو حقیقتاً مردون کی صف مین بھی نمایان جگہ دی تھی - سرزمین بھوپال کا موجودہ علمی دور آپ ہی کی ذات سے قایم تھا اور تصنیف و تالیف خود آپ کا بہترین مشغلۂ حیات تھا - اہل علم و کمال کی قدردانی جس طرح آپ کے زمانۂ حکومت مین ہوئی، وہ بھی ملک سے مخفی نہین - چونکہ مجھے خود بارہا علیا حضرت کی بارگاہ مین شرف حضوری حاصل ہوا ہے، اس لئے مین کہہ سکتا ہون کہ جس جامعیت و خوش اسلوبی سے آپ علمی و معاشرتی مسایل پر گفتگو فرماتی تھین وہ علماء عصر مین بھی نظر نہین آتی -

بہر حال علیا حضرت کا اُٹھ جانا، نہ صرف بھوپال، بلکہ تمامی ہند کے لئے ایک ایسا نقصان عظیم ہے، جس کی تلافی کسی طرح ممکن نہین اور سب لوگ جتنا ماتم بھی کرین کم ہے - ہمین امید ہے کہ بھوپال کا محکمۂ تاریخ جلد از جلد آپ کی سیرۃ مرتب کر کے ملک کے سامنے پیش کریگا اور موجودہ حکومت اُن روایات علم پروری کو بدستور قایم رہنے دیگی جو علیا حضرت کی ذات سے قایم تھین -

---

دوسرا ادبی سانحہ لالہ سری رام ام - اے مولف خمخانۂ جاوید کی وفات کا ہے - مرحوم دہلی کے رؤسا مین سے تھے اور بہت پاکیزہ اخلاق رکھتے تھے - آپ کا کتب خانہ ایک آئینہ تھا جس سے آپ کے ذوق علم و ادب کا حال معلوم ہوتا تھا اور آپ کا ہر وقت کسی نہ کسی علمی مشغلہ مین مصروف رہنا آپ کی فطری صلاحیت کا ثبوت تھا -

تذکرۂ خمخانۂ جاوید کی ترتیب و اشاعت مین آپ نے جسقدر مادی و ذہنی ایثار سے کام لیا وہ تاریخ ادب کا ہمیشہ یاد رہنے والا واقعہ ہے۔ افسوس ہے کہ مرحوم اس سلسلہ کو مکمل کرنے سے قبل اُٹھ گئے اور نہین کہا جاسکتا کہ اب اس کا حشر کیا ہوگا لیکن اگر یہ صحیح ہے کہ اب اس کام کو پنڈت دتاتریہ کیفی انجام تک پہونچائین گے تو ہمکو مایوس نہ ہونا چاہئے ممکن ہے کہ رلف خمخانہ کی تمنا پوری ہوکر رہے اور اس کی اشاعت کا سلسلہ بدستور قایم

اس ماہ کی اشاعت مین آصفی نظامی، سلسلہ کا مضمون ہے اور حقیقت یہ ہے کہ خان امتیاز علی عرشی نے پورا حق وطنیت اس مین ادا کیا ہے۔ اس مین کلام نہین کہ آصفی نظامی دور آخر کے نہایت پرگو اور کامیاب فارسی زبان کے شاعر تھے، لیکن اگر فاضل مضمون نگار ان کے کلام کی خصوصیات کو اس طرح نمایان نہ کرتے تو غالباً اس جوہر قابل کا علم بھی کسی کو نہ ہوتا۔

"قرآن کے لطایف ادبی" نگار کے مقالہ نگار خصوصی مولوی عبد المالک آروی کی تحقیق کا نتیجہ ہے اور نہین کہا جاسکتا کہ اسکی تکمیل کتنی اشاعتون مین ہو اس مقالہ کو صرف تمہید سمجھنا چاہئے مجھے نہین معلوم کہ اس بحث مین انھون نے "قرآن کی فصاحت و بلاغت" سے بہ حیثیت معجزہ اعتنا کیا ہے یا نہین۔ اگر نہین، تو مین انھین مشورہ دونگا کہ اسی سلسلہ مین وہ اس موضوع پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کرین، تاکہ ان لوگون کو بھی کچھ کہنے کا موقعہ ملے جو اس کے قایل نہین ہین۔

راحت القلوب پر جناب نقاد نے جس اہتمام سے تنقید کی ہے وہ اگر خصم کو ساکت نہین کرسکتی، تو زیادہ سے زیادہ اسیقدر یارائے تکلم دے سکتی ہے کہ وہ شاہ نظام الدین اولیاء سے اس کتاب کی نسبت کا انکار کرین۔

باب المراسلہ مین ایک تحریر جناب فضل حمید دہلوی کی ہے، جس مین میری مذہبیت سے بحث کی گئی ہے اور دوسری جناب ریاض خیرابادی کی جسے انشاء کا ایک پاکیزہ نمونہ ہونے کے لحاظ سے درج کیا گیا ہے۔ حسب عادت مین نے دونون کا جواب دیا ہے لیکن اتنا عرض کئے دیتا ہون کہ میرا جواب "جواب طلب" نہین ہے۔

باب الاستفسار مین اس مرتبہ ایک خاص بحث ایسی چھڑ گئی ہے جس کا سلسلہ زیادہ خطرناک ہوسکتا ہے، اگر مولویون نے اپنی عادت کے موافق اپنی "خرافیات" کو "حقیقیات" ثابت کرنے کی کوشش کی۔ جناب سید علی اکبر کاظمی بی اے کا افسانہ پلاٹ کے لحاظ سے بہت دلچسپ ہے۔ "خلد کی رونق" مین، بیئہ قصداً افسانہ کا رنگ پیدا ہونے نہین دیا۔ نظمون اور غزلون پر ہر شخص اپنے ذوق کے لحاظ سے اچھے برے ہونے کا حکم لگائے مجھے کوئی اعتراض نہین۔

آیندہ ماہ سے نگار کی اٹھارھوین جلد شروع ہوگی اور ایسے معرکۃ الآرا مضامین کے ساتھ جو ذہن انسانی مین خاص انقلاب پیدا کرنے والے ہونگے۔ ان مین سے اکثر مقالات اڈیٹوریل ہین۔ جن حضرات کا چندہ جون کے ساتھ ختم ہوجاتا ہے، وہ اگر منی آرڈر بھیجکر وی پی کی زحمت سے بچائین تو بہتر ہے ورنہ جولائی کے ابتدائی ہفتہ سے وی پی کی روانگی شروع ہوجائیگی

خاقانیِ ہند، قاآنیِ عصر، علامہ آصفی نظامی

بہاریہ

بہاریہ تشبیب مین، ابر کا امنڈ امنڈ کر آنا، گھٹاؤن کا عالم پر چھا جانا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤن کا چلنا، بہار کی آمد، خزان کا نزول، قوتِ نامیہ کی بیداری، موالید ثلاثہ کی بالیدگی، مزاجِ عالم کی اعتدال آشنائی، بہار کی وسعتِ دستگاہ، سلطانِ گل کی قوت و حکومت، چمن کی مشاطگی، دشت و صحرا کی گلبین و بوستان سے حریف پیشگی، مئے مردافگن کا دور، اور کسی گوشۂ باغ مین معشوقِ سیمین تن کی صحبت وغیرہ کا تذکرہ ہوا کرتا ہے۔

انسان فطرتاً، مناظرِ قدرت کا گرویدہ ہے۔ یہ مناظر اسقدر دلچسپ اور باعث مسرت ہوتے ہین کہ شاید ہی کوئی طبیعت لطف نہ اٹھاتی ہو۔ چمن کا پھول بوڑھے سے لیکر بچہ تک، اور بینہ کی پھوار مرد سے لیکر عورت تک، ہر طبقہ ہر ملک اور ہر ذوق کے انسان کیلئے رحمتِ خداوندی ہے۔ چونکہ مضمون ہر دل عزیز ہے، اور وسیع بھی۔ اسلئے متعدد اسلوب سے ادا ہو سکتا ہے۔ قدما نے اپنی تشابیب مین بہاریہ خوب دل کھولکر لکھا ہے۔ صرف یہی ایک وہ عنوان ہے، جو سب سے کم تخیل، اور سب سے زائد محاکات کا محتاج ہے۔ محاکات کیلئے، قدماء کا زورِ قلم ممتاز خصوصیت رکھتا ہے۔ اسلئے انوری وغیرہ کے قصائد "بہار" سے پر ہین۔ تفصیل کا محل نہین۔ صرف انوری کے دو چار شعرون سے اندازہ کرلو۔

نو بہار آمد و ہنگامِ طرب در گلزار — چہ بہارے کہ زد لہا ببرد صبر و قرار
ساقیا، خیز کہ گل رشکِ رخِ حورا شد — بوستان جنت دمی کوثر، و طوبیٰ ست چنار
مردہ خواہد کہ بجنبد بچنین فصل از جا — کشتہ خواہد کہ رخان لالہ کند یا گلباز
بادِ نوروز، سحرگہ چو بہ بستان بگذشت — گلِ صد برگ برون رست ز پیرامن خار
چہ بدستیٔ فلک بین تو کہ بے خامہ و رنگ — کردہ اطرافِ چمن را ہمہ پر نقش و نگار
نقشبندیٔ ہوا باز نگہ کن بر گل — کہ دو صد دائرہ بر دائرہ زد بے پرکار

بادشبگیری، نسیم آورد باز از جویبار — ابرِ نوروزی علم بفراخت باز از کوہسار
این چو پیکانِ بشارت بر شتابان در ہوا — وان چو پیلانِ جواہر کش خرامان در قطار

"پیکانِ بشارت بر" اور "پیلان جواہر کش" کی ترکیبین بہت پاکیزہ استعمال کی ہین۔

گہ معطر خاکِ دست از بادکافوری نسیم — گہ مرصع سنگِ کوہ از ابرِ مروارید باز
بوئے خاک از نرگس و سوسن چو مشکِ تبتی — روئے باغ از لالہ و نسرین چو نقشِ قندہار

یہی حال ظہیر فاریابی اور کمال اصفہانی وغیرہ کا ہے۔ حسان العجم خاقانی بھی بہار کی ہمہ گیری سے محفوظ نہ رہ سکے، مگر تھے مغلق گو، بہار بھی مغلق ہی رہی۔ اگر شوق ہو، تو یہ قصائد پڑھو۔

جامِ طرب کش کہ صبح کام بر آمد
دوش بر دن شد زدلو، یوسفِ زرین نقاب
تا نفحاتِ ربیع صور دمید از جہان
دستِ صبا بر فروخت مشعلۂ نو بہار

عرفی کی عاشقانہ طبیعت فطرت کے مظہر اتم (انسان) ہی کا نظارہ کرتی رہی۔ بیچارہ گل و بلبل کے فسانہ کے لئے کہاں سے وقت نکالتا۔ اسکے ہاں صرف دو بہاریہ تشبیبین ہین حسن یار گل، اور حمل و اکحل۔

خیر اس مین بھی کچھ ہرج نہ تھا اسکی افتادِ طبع ہی عاشقانہ تھی مگر ستم یہ ہوا۔ کہ دماغ بادۂ تخیل سے سرشار تھا، اسنے بہاریہ کو کوہ قاف کی خیالی دنیا بنانے کی سعی کی۔ اس کش مکش مین حقیقت دامن چھڑا کر غائب ہوگئی

ابتداً آصفی بھی اس روش کے دلدادہ تھے۔ چنانچہ عرفی کی دونون طرحون پر طبع آزمائی کی ہے۔ ہم چاہتے ہین۔ کہ سردست عرفی سے توازن کرتے چلیں ورنہ قاآنی کی زمین مین داخل ہوکر، یہ دنیا ہیچ نظر آئیگی

عرفی کی طبیعت مشکل پسند واقع ہوئی تھی۔ وہ محاکات کی جگہ تخیل کا بادشاہ تھا۔ اسلئے ہمیشہ سخت اور دشوار گذار زمین انتخاب کیا کرتا تھا۔ کیونکہ اس مین تخیل کی زیادہ سے زیادہ گنجائش ممکن ہوتی ہے۔ گو بہاریہ مین یہ امر دشوار ہے۔ مگر دماغ کی ساخت نے یہان بھی راہ نکال لی۔

سب سے پہلے کاتبی نے "حسنِ یار گل" ردیف و قافیہ مین قصیدہ لکھا تھا۔ امیدی اور ہلالی کو یہ زمین بھائی اور وہ بھی ہمنوا ہوگئے مولانا عرفی نے یہی طرح اختیار کی۔

جب آصفی نے اس طرح پر قلم اٹھایا۔ تو اپنے سامنے پانچ قصائد پائے۔ جو بترتیب زمانہ، کاتبی، امیدی، ہلالی، عراقی، اور بیدل نے لکھے تھے۔ میرے سامنے صرف عرفی ہے چونکہ مولانا آصفی نے اس کے نام قوافی لکھے ہین۔ اسلئے صرف ہمقافیہ اشعار کا توازن کافی ہے

عرفی کا مطلع ہے۔

نو بہار آمد، کہ افشانہ چو حسنِ یار گل ‎ ‎ چون وصالِ یار ریزد ہر خس و ہر خار گل

مقصد تو یہ ہے۔ کہ "جسطرف نظر ڈالئے۔ بہار ہی بہار ہے" مگر عرفی کا مذاق عاشقانہ تھا۔ اس لئے اسنے اسلوبِ ادا عشقیہ اختیار کیا۔ اور ستائشِ بہار بھی، حسنِ یار، اور وصالِ یار کی زنجیر سے نہ چھوٹ سکی۔

یہ طرزِ بیان بجائے خود، کیسا ہی دلکش کیون نہو۔ مگر حسنِ فطرت کے جویا کے لئے دلچسپ نہین۔ آصفی نے عرفی کی

اس کمزوری سے فائدہ اُٹھایا - اور کوشش کی کہ جدت ادا سے گل کی ہمہ گیری پر مہر لگا دین - فرماتے ہین

باز فیضِ نو بہاران، میکند ایثارِ گل   گلستان گل، دار و دشت و دامنِ کہسار گل

عرفی

گل فروشی بود مخصوصِ دلِ افگار را   کرد بے عزت بہار آخر بہر بازار گل

آصفی

از زلیخائی دلہا، قدرِ او افزون شود   سر نہد، گو، مثلِ یوسف، بر سرِ بازار گل

عرفی کو آمدِ بہار اور فیضِ نامیہ مین گل کی بے عزتی، اور گلشن کی گل فروشی مین - دلِ افگار کی حریف پیشگی نظر آتی ہے - اسے حیرت ہے - کہ "بہار کو یہ دستگاہ کہان سے ہوئی - جو آج یون پھول برسا رہی ہے - یہ جو صرف میرے دل کا شیوہ تھا" یہ مضمون بہاریہ بہاریہ تشبیب کو محاسن سے محروم کرتا ہے - ستائش و مدح، مین منقصت، کا پہلو نکلنا عیب ہے - شعر پڑھنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ شاعر کو بہار اور سرمایۂ بہار سے لطف نہین آتا - بلکہ اسکی طبیعت اور منقبض ہوتی ہے

آصفی فطرت کا دلدادہ اور جلوۂ گل کا جویا ہے - اس کا خیال ہے - کہ ہر شے کی قدر و منزلت اس کے اوصاف کے مشاہدہ پر موقوف ہے - جبتک یوسف علیہ السلام بازار مین نہ پہنچے تھے - چند کھوٹے درہم قیمت اٹھی تھی - مگر بازار مین آنا تھا - کہ زلیخا نے دل نذر کر دیا - پھر سر بازار جلوۂ گل کیون تلاش نہ کرے - اس سے گل کی منزلت پہچانی جا سکے گی -

عرفی پر حیرت ہے - بہاریہ لکھنے بیٹھا ہے - مگر موسمِ گل کی منقصت کرتا ہے - علاوہ ازین اس کے پہلے مصرع کی بندش بھی سست ہے - آصفی کا شعر اس عیب سے پاک ہے - رہی زلیخا اور یوسف کی تلمیح - جس نے شعر کو ایک اہم صنعت سے مالا مال کر دیا ہے وہ سراسر مزید ہے -

عرفی

بعد ازین از فیضِ رنگ آمیزیِ فصلِ بہار   خامۂ بے رنگ ریزد بر در و دیوار گل

آصفی

جوش دارد رنگ و بو، از جنبشِ بادِ نسیم   گر مصور نقش بندد، بر در و دیوار گل

مبالغہ کلام کی جان ہے - مگر اس کی خوبی یہ ہے - کہ حقیقت پر محمول کیا جا سکے - بالفاظِ دیگر وہی مبالغہ زیادہ پسندیدہ ہے - جو سامع کو حقیقت سے زیادہ قریب نظر آ سکے - عرفی کا شعر مبالغہ کی خوبی سے محروم ہے - ایسا کبھی نہین ہوتا کہ سادہ قلم سے کچھ پھول پتیان بنا دی جائین - اور رنگدار معلوم ہون - لیکن یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے - کہ نقاش در و دیوار پر پھول پتیان بنا دیتا ہے - اور کچھ اس کاریگری سے رنگ بھرتا ہے - کہ نظر فریب کھا جاتی ہے - دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ سچ مچ کے پھول ہین - آصفی اس پر اضافہ کرتی ہے اور یہ خیال گزرتا ہے - کہ ہوا کے ساتھ خوشبو کی لپٹین دماغ کو معطر کر رہی ہین - اپنی قوتِ متخیلہ پر زور دیکر دیکھو - سادہ اور بیرنگ قلم سے رنگ آمیزی واقعیت سے کوسون دور نظر آئے گی لیکن رنگین پھولون سے، رنگ و بو کی موجین امنڈتی نظر آنا، واقعہ معلوم ہوگا

عرفی

بسکہ طبعِ کائنات از خرمی آبستن ست   بر دماند بادِ آہِ مجرمان بردار گل

آصفی

از دمِ تیغِ ستم، بر جائے زخمِ خونچکان   گلبن آسا مید مد از چوبِ خشکِ دار گل

عرفی کا شعر لطیف ہے - سانس مین تری ہوتی ہے - ادہر کائنات کی طبیعت خوش و خرم ہے - اس لئے مجرم کی سانس سے دار کی

لکڑی مین پھول نکل آنا کچھ بعید نہین۔ لیکن آصفی کا شعر لطیف تر ہے۔ بظاہر بات ایک ہے۔ لیکن جدت کی کار فرمائی نے زمین سے اُٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا ہے۔ زخمون سے خون بہکر سولی کی خشک لکڑی پر جم جاتا ہے۔ تو یہ نظر آتا ہے۔ کہ نقش و نگار ہین۔ تلوار کا دم نہ صرف شاعر کے ذہن میں بلکہ یوں بھی حقیقتاً اس نقاشی کا باعث ہے۔ اس لئے آہِ مجرم کے مقابلہ مین، دمِ تیغ، ہر حیثیت سے مکمل وجہ روئیدگی کہا جا سکتا ہے۔

عرفی　　از نہالِ قامتِ خوبان ، درین موسم رواست　　گر بجائے عشوہ ریزد، در دمِ رفتار گل

آصفی　　نقش پائے شاہدِ شنگولِ عہدِ نو بہار　　از نسیم ناز افشاند دمِ رفتار گل

عرفی کے مضمون کی بنیاد صرف الفاظ پر ہے۔ چون کہ معشوق کے قد کو نہال سے تشبیہ دیتے ہین۔ اور نہال مین پھول آتے ہین۔ اسلئے شاعر کا ذہن مجاز کو حقیقت سے بدلنا چاہتا ہے۔ ادہر موسم ہے بہار کا۔ اسلئے متخیلہ کے نزدیک اور زیادہ ممکن نظر آتا ہے۔ کہ عشوہ و ادا کی جگہ اس فصل مین معشوق کے جسم سے پھول جھڑنے لگیں۔

آصفی نے بھی یہی مضمون باندھا ہے۔ مگر حق یہ ہے۔ کہ قیامت برپا کی ہے۔ عدیم النظیر جدت سے مضمون ناقابلِ انکار حد تک معجزہ ہو کر رہ گیا ہے۔ غور فرمائیے۔

"بہار کا موسم ہو۔ کوئی مست ناز خرامان جا رہا ہو۔ شباب اپنی انتہا کو پہنچ گیا ہو۔ شرابِ حسن چھلکی پڑتی ہو۔ دمِ رفتار کچھ نقش زمین پر بنتے چلے جاتے ہون۔ شاعر یہ منظر دیکھے، تو کیون نہ تڑپ اٹھے؟۔ موسم بہار مین شاہد شنگول کا جھوم جھوم کر چلنا اور قدمون کے نشان زمین پر بنجانا اسے یقیناً یہی نظر آئے گا۔ کہ ناز و انداز کی ہوا، قدمون سے پھول برسا رہی ہے"

گیا تخیل نے بیجا فریب کھایا۔ جو دماغ شرابِ حسن سے مدہوش ہو حقیقت سے باخبر نہین ہو سکتا۔ اس کو نقوشِ قدم پھول ہی نظر آئین گے۔ لیکن عشوہ باری کے بدلے پھول برسنا صرف تخیل ہے۔ علاوہ ازین عرفی کا مضمون کمزور بھی ہے وہ صرف امکان و جواز کا دعویٰ کرتا ہے۔ یعنی اگر ایسا ہو جائے تو امتناعِ عقلی نہین لیکن آصفی اس کو واقعہ بیان کرتے ہین۔ یہ انکا نذر کا مشاہدہ ہے۔

عرفی　　مشہد بختِ مرا پژمردہ گل برگے رسید　　بسکہ از بذلِ چمن گردیدہ بیمقدار گل

آصفی　　صورت گلشن، ز عکسِ او شود مرآتِ چرخ　　جلوہ ہا کردہ ست، یارب، تا چہا مقدار گل!

مفہوم متحد ہے۔ عرفی بھی پھولون کی کثرت دکھا رہا ہے، آصفی بھی یہی چاہتے ہین لیکن طرزِ بیان، اور روشِ ادا بدلجانے سے بظاہر صورت بدل گئی ہے۔ عرفی کا شعر کمزور ہے۔ اس کے شعر سے پھولون کی منقصت ٹپکتی ہے۔ پھولون کی اسقدر کثرت اور بہتات کہ چمن کی نظر مین اسکی وقعت ہی نہ رہے۔ زیبا بات نہین۔ لیکن آسمان پر چمن کا عکس پڑنا، اور پھر ساری فضا کا پھول ہی پھول نظر آنا، لاجواب بات ہے۔ شیشہ مین جو چیز منعکس ہوتی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دراصل شیشہ کے اندر موجود ہے۔ آسمان کے شفاف آئینہ مین چمن کا عکس نظر آتا ہے۔ تو شاعر حیرت سے سوال کر بیٹھتا ہے خداوندا پھول کا جلوہ کسقدر ہمہ گیر

اور لامتناہی ہے۔ کہ سارا عالم بھرا ہوا ہے۔

مضمون بجائے خود ہی ستائش خواہ تھا۔ مگر اس استعجاب نے چار چاند لگا دیئے۔ بے اختیار زبان سے سبحان اللہ نکل جاتا ہے

عرفی — درچنین فصلے، کہ از فیض ہوائے نوبہار — درزمین شور میروید ز نوکِ خار گل

آصفی — از گلستان تا بخارستان، نباشد امتیاز — میدمد چون شاخِ گل، از ہر خس و ہر خار گل

یہ قافیہ عرفی نے قطعہ مین لکھا ہے، لیکن ہمین صرف یہ دکھانا ہے، کہ عرفی کا یہ شعر جو اپنے مدعا کی ادائگی مین دوسرے کا محتاج نہین ہے۔ آصفی کے ہمقافیہ شعر سے پست نہین ہے۔ تو بلند بھی نہین۔ لیکن یہی قافیہ آصفی نے دوسری جگہ اس خوبی سے لکھا ہے۔ کہ باید وشاید۔ فرماتے ہین

بسکہ بالد دستگاہِ نامیہ از نوبہار — میدہد از شاخ گل، از برگ گل از خار گل

یہی حال آیندہ قوافی کا ہے۔ دونون کے اشعار پڑھو اور بتاؤ کہ کیا اب بھی دنیا یہی بے بنیاد عقیدہ رکھے گی۔ کہ اہل فارس کی حریف ہمیشگی ہندی سے ممکن نہین۔ یادگارِ غالب مین مولانا حالی نے یہ خیالی عمارت ڈہا دی ہے۔ اُن کے نزدیک تخیل کی وسعت غیر محدود ہے۔ فیضان خداوندی کا دروازہ کسی ایک قوم یا ایک ملک ہی پر نہین کھولا گیا ہے علاوہ ازین زبان کی قدرت بھی اہل زبان ہی کا خاصہ نہین۔ روزمرہ مین دوسری زبان والا اہل زبان کا مقابلہ نہین کرسکتا۔ مگر شاعرانہ زبان یا لٹریچر ایسی چیز ہے۔ کہ ایک زباندان اہل زبان سے فوقیت حاصل کرسکتا ہے۔ مولانا آصفی جنکی پرورش ایرانی گود مین ہوئی زباندانی اور تخیل دونون مین فارسی کے حریف ہین۔

عرفی:

شاید از گلبن صفت برگلشن از فیض ہوا
پردہ ہائے عنکبوت انگیزد از ہر تار گل
گر ہمی داند کہ تاراجِ خزانی در پے است
از چہ می نازد بہ مشتِ درہم و دینار گل

آصفی:

بے نسیم زخمۂ مطرب ز سازِ بزمِ عیش
جائے نغمہ، ہمچو شاخِ گل، چکد از تار گل
گر چنین باشد رواجِ سکۂ فصلِ بہار
زرگران ریزند، جائے درہم و دینار گل

یہان بھی عرفی، بہاریہ تشبیب کا حسن کھو بیٹھا۔ وہ بھول کر فہمائش کرتا ہے۔ کہ جب خزان کا کھٹکا ہر وقت لگا ہوا ہے۔ تو مٹھی بھر چاندی سونے پر گھمنڈ کرنا عبث ہے ناصح کیسا ہی مشفق کیون نہو قبولیت سے کوسون دور رہتا ہے۔ آصفی فرماتے ہین "اگر شاہنشاہ بہار کا یہی دور دورہ رہا۔ اور قلمرو فطرت مین اسی شان وشکوہ سے اسکا سکہ چلتا رہا تو اب کوئی دم جاتا ہے جو تم سن لوگے کہ سنار روپے اور اشرفیان ڈھال رہا تھا یکایک سانچون مین سے سرخ وسپید پھول جھڑنے لگے" عرفی اور ہم پر پھول خود ہی بنے ہوتے ہین۔ ان کو سانچون مین سے نکلتے دیکھکر پھول جان لینا بالکل قرین قیاس ہے۔

عرفی — مغز عالم را معطر کرد، گویا میکند — از شمیم خلقِ داور شمۂ اظہار گل

آصفی — سائۂ ہر گل کہ می خندد، بود یاقوت ریز — رنگِ ہر برگے کہ می بالد، کند اظہار گل

عرفی نے یہاں سے ممدوح کی طرف گریز کی ہے۔ اس لئے تقابل ناانصافی ہے۔ صرف یہ دیکھو۔ کہ آصفی نے کس خوبی سے یہ قافیہ نظم کیا ہے۔ سرخ پھول کے سایہ سے یاقوت پیدا ہونا کیسا خوبصورت مبالغہ۔ اور ہر ہر پتے کے رنگ سے پھول ظاہر ہونا۔ کسقدر نادر تخیل ہے۔ گویا پھول اور پتون کا رنگ۔ مافوق العادت ہے۔

فسانہ طویل ہو گیا۔ آصفی کی تشبیب کے دو چار شعر اور سن لو

شہر بندِ گلشنِ دہر ست رنگین عالمی   نغمۂ بلبل شود در کوچۂ منقار گل

"دنیا کی رنگینی حد سے گذر گئی۔ اب یہ عالم ہے۔ کہ بلبل کی چونچ سے نغمون کے بجائے پھول جھڑتے ہین" پیاری باتون کو لوگ عام طور پر پھول کہتے ہین۔ موسم بہار مین رنگینی عالم پر چھائی ہوتی ہے اس سے مجاز نے حقیقت کی صورت اختیار کر لی ہے۔

سنگ از فیضِ نمو باشد برنگِ گل زمین   لالہ آسا، سر زند از صخرۂ کہسار گل

گر بیفشانند بہاران دامنِ خود بر ہوا   در نظر آید، سراپا گنبدِ دوار گل

نکہتِ گل، کارِ انفاسِ مسیحا می کند   گر بیفشانند کسے بر بسترِ بیمار گل

"عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کر دیتے تھے" "قم باذن اللہ" کہا اور مردہ کلمہ پڑھکر اُٹھ بیٹھا یہان پھولون کی خوشبو کا یہ حال ہے کہ اگر بیمار کے بستر پر دو چار پھول ڈالدو۔ تو چنگا ہو جائے" خوشبو روح کو فرحت دیتی ہے۔ بیمار کی روح متالم ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے لئے وہ چیز دوا ہے۔ جو اسے قوی کر دے۔ پھول خوشبودار ہوتا ہے اور دماغ کو تازگی بخشتا ہے۔ اسلئے آصفی کا ادعا عین حقیقت ہے۔ پھر مسیحا کا ادب بھی ملحوظ ہے۔ وہ مردہ زندہ کرتے تھے۔ یہ بیمار کو تندرست بناتا ہے

بنگر د اشکالِ نیرنگِ بہاران در زمین   گر نہد اعمیٰ بچشمِ خویش، عینکِ وار گل

فلسفہ کا دعویٰ ہے۔ کہ ذراتِ خاک، خوردبین سے معائنہ کئے جائین تو بیل بوٹے نظر آئین گے۔ گویا زمین بہار کی نیرنگیون سے پُر ہے۔ شاعر اس فلسفہ کی حمایت کرتا ہے۔ لیکن شاعرانہ زبان مین۔ کہتا ہے۔

"اگر بہار کی بوقلمونی دیکھنا چاہتے ہو تو خوردبین کی کیا ضرورت ہے۔ پھول کو آنکھ پر لگا کر وہ کچھ معائنہ کر لو۔ جو مصنوعی آلات نہیں دکھا سکتے"

خیام کا فلسفہ ہے۔ کہ ہر پھول "لالہ روئے بودہ ست" اور "زخاکِ لالہ روے رستہ است" بالفاظِ دیگر پھول مردہ حسینون کی یاد دلاتا ہے۔ آصفی کا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن فرق یہ ہے۔ کہ وہ بوالہوسی کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہ فطرت کے سربستہ اسرار بتاتے ہین۔

گر گلستان در بہاران عرصۂ محشر شود   فتنۂ محشر فشاند بر سراشرار گل

در نسیمِ این جہان، در عالمِ عقبیٰ رود   دوزخی چیند بدستِ آرزو از نار گل

قطرۂ شبنم زجوشِ رنگِ گل طوفانیست   چون محیط از فیضِ خود، گردید طوفان کار گل

غنچہ گوئی گریبانِ بتان، از نو بہار آنقدر بر خویشتن بالد شود یکبار گل

۲- عرفی کا دوسرا بہاریہ قصیدہ حمل - حلل وغیرہ قوافی میں ہے۔ آصفی نے مختلف اوقات میں تین قصیدے، اس زمین میں لکھے ہیں - ایک نعتیہ ہے - دوسرا حضور نظام دکن کی مدح میں ہے - اور تیسرا حضور والی رامپور کی ستائش میں ہے - حضور نظام سے خطاب کرتے ہیں -

خسروا عرش جنابا، بہ سخن دادرسا! یافت معراج ز مدحت، چہ قصاید چہ غزل

اندرین عہد نشان یافتہ در ملکِ سخن ہمچو اعیان ز تو ہر معنیٔ از شانِ اجل

للہ الحمد، کہ ہر گوہر معنے خوش آب ریخت نیسانِ رگِ خامہ بما قل و دل

نرسد عرفی و طالب بقفائے گردش ادہم خامہ من گرم عنان شد ز ازل

بظاہر یہ خیال ہوگا - کہ ان کا یہ دعوی کہ عرفی و طالب میرے قلم کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے، محض ادعا ہے - لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ حقیقت ہے - مولانا نے اپنے خط میں ان قصائد کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی ہے لکھتے ہیں -

" ان قصائد میں ۳ قصیدے ایک ہی زمین میں - ایک نعتِ رسالتمآب علیہ السلام میں، دوسرا بمدحِ نواب حامد علیخان صاحب بہادر رئیس رامپور، تیسرا بمدح نواب میر عثمان علیخان بہادر فرمانروا دکن ہے - تذکرہ نویسی میں ایسے مقامات پر شاعر کی تلاش اور زورِ طبیعت کا اندازہ ہو سکتا ہے - خاکسار نے جن نامور شعرا کی تتبع کی تصریح کی ہے - اکثر قصائد انہی کی روش پر لکھے ہیں - ملاحظہ کے وقت یہ امر منکشف ہو سکے گا - کہ کلام کے مراتب کیا ہیں "

غالبًا اس زمین میں پہلا قصیدہ انوری کا ہے - لیکن ہم اسکو چھوڑ دیں گے - صرف عرفی سے مقابلہ کرنا ہے - کیونکہ آصفی نے گذشتہ قصیدہ اور یہ اسی کی روش پر لکھے ہیں - مراتب کلام پر غور کرنا سلیم طبیعتوں پر موقوف ہے - سخن شناس کبھی دھوکہ نہیں کھا سکتا غالب کہہ چکا ہے - کہ

غالب نخورد چرخ فریب، ار ہزار بار گفتم بروزگار، سخنور چو من بسے ست

ایران میں بہار تقریبًا بیساکھ کے مہینہ میں شروع ہوتی ہے اس ماہ کا نام فروردین ہے علم ہیئت کی رو سے اس ماہ میں آفتاب برج حمل میں اقامت گزین ہوتا ہے - نوروز اس داخلہ کا پہلا دن ہے ایران میں یہ دن تیوہار ہے گھر گھر جشن منائے جاتے ہیں ساغر عیش چھلکتے ہیں - اور پیر و جوان مست و سرشار نظر آتے ہیں -

ہندوستان میں، فارسی سلطنت اور سلطنت کے ساتھ رسوم و رواج داخل ہوئے تو نوروز بھی ساتھ آیا شعرائے بہاریہ میں، آفتاب کا برج حمل میں داخلہ، صلائے عیش و نشاط، لشکر فروردین کا عمل، اور ماہ دی کے اثر کے زوال وغیرہ کو لکھنا شروع کر دیا - غالبًا سب سے پہلے انوری نے لامیہ میں یہ مضمون لکھا - اسکے بعد عرفی کی نوبت آئی - اور اس نے اپنی اعجاز نگاری سے

مہر ثبت کردی - کہتا ہے -

چہرہ پرداز جہان ار رخت کشند چون کحل　　شب شود نیم رخ و روز شود مستقبل

موسم بہار شروع ہوتے ہی، رات گھٹنے لگتی ہے - اور دن بڑھنا شروع ہو جاتا ہے عرفی اسی نقطہ سے قصیدہ کی ابتدا کرتا ہے - فن مصوری کی اصطلاح مین نیم رخ وہ تصویر ہے جس مین صاحب تصویر کو ایک پہلو سے دکھایا جائے یعنی اسکی نگاہ دیکھنے والے کی طرف ہونیکے بجائے داہنے یا بائین جانب ہو - اس حالت مین تصویر کی ایک آنکھ اور ایک رخسار دکھائی دیتا ہے - دوسرا پوشیدہ ہو جاتا ہے مستقبل (بہ فتح با) وہ تصویر ہے جس مین صاحب تصویر کو اس طرح دکھایا گیا ہے - گویا وہ سامنے کو دیکھ رہا ہے - اس حالت مین دونون آنکھین اور دونون گال نمایان ہوتے ہین - اور تصویر مکمل چہرہ دکھاتی ہے - عرفی نے ان دونون اصطلاحون کو استعمال کیا ہے - اسکے ان شعر دن سے رات کا گھٹنا، اور دن کا بڑھنا ظاہر ہوتا ہے

چہرہ پرداز جہان، ار رخت کشند چون کحل　　شب شود نیم رخ و روز شود مستقبل
چشم شب، تنگ شود دائرہ مردمکش　　دیدۂ روز بتدریج بر آید احول
مردم دیدۂ آن ژالہ دگر بالصفت　　بیضۂ دیدۂ این روغن دو بیاد مثل
خون سودائی شب زاید و فاسد گردد　　لاجرم نشتر روزش بکشاید اکحل
روز چون کرم بر یشم ہمہ بر خویش تند　　ہر چہ شب رد کند از معدہ چو زنبور عسل
بعد ازین ترجمۂ روز شود صاحب کل　　بعد ازین شب بہ نگین ثبت کند عبد قل

بجائے خود یہ مفہوم خوب ہے - لیکن عرفی کی زبان سے ہے - اسلئے خوب تر ہو گیا ہے - آصفی ایوانِ حمل کی آراستگی سے قصیدہ کی ابتدا کرتے ہین

" آفتاب کیلئے، فلک نے ایوان حمل کو آراستہ کیا زہرہ، عطارد، مریخ وغیرہ مصاحب و ملازم اپنے فرائض کی انجام دہی مین مصروف ہوئے موتیون کی جگہ تارے نچھاور کرنے کے لئے، چاند کی کشتی مین بھر دیئے اب وہ وقت اور وہ گھڑی مبارک و سعد ہو گی - جب شاہِ خاور تختِ جلال پر رونق افروز ہو گا - سارے عالم کی بچی کاری دگی - خزان کا عمل اُٹھ جائیگا - اور نامیہ عالم کو آراستہ و پیراستہ کر دے گی - دن بڑھنے لگیگا - اور رات گھٹ کر نقطہ کے برابر رہجائے گی - وغیرہ -

اس بزم کو مولانا کے معجز کلام مین دیکھو - عرفی عرفی تھا آصفی ہندوستان مین پیدا ہوتے تو بلا خوف تردید ہم یہ دعویٰ کر سکتے تھے کہ روانی، زور، اور تنوع تشبیہات، مین متاخر، متقدم سے بلند ہے فرماتے ہین -

(قصیدہ بمدح والی رامپور خلداللہ ملکہ)

چرخ آراست، بشان دگر، ایوان حمل　　بہر نوروز، ز سازِ طرب مستقبل

صبحِ نوروزِ طرب، خندہ زد از جیب افق — بہ فروغے، کہ بود ہم نفسِ صبحِ ازل
شاہِ خاور، صفتِ جم، ز نشاطِ نوروز — قامتِ خویش، بر آراست بہ زرینہ حلل
خوش خوش آن ساعتِ عشرت کہ نہدئے پا جلال — بسریرِ شرفِ دولتِ جبا وید حمل
طبقِ ماہ بود پُر بہ گہر ہائے نجوم — کہ نثارِ شہِ خاور کند از شانِ اجل
مشتری راز نگاہِ شہِ خاور شانیست — کہ فراتر بودش پایہ از قدر و محل
ترہاتِ ندما داشتہ بہرام بہ چرخ — بر لبِ زہرہ بود نغمہ آہنگِ غزل
در خمِ چرخ فشردند ز بہ دینِ انگور — لالہ گون شد ز شرابِ شفقی روئے زحل
پایۂ عزِ عطارد بگزشت از کیوان — کہ گزیدش شہِ خاور بوزیر از نہ عمل
آن وزیرے کہ با قبالِ شہی ملک آراست — عاملِ نامیہ را بہر عمل خواند اول
از نقایص، بہ طبایع نگزارد علیسی — قوتِ نامیہ کردے شدہ القصہ اکمل
سر یانیست بہر ماہیت، از بہر تو مہر — قیر کا فور شد و عود بہ طبعِ صندل
عودیٔ شب شدہ دیباجِ مخطط از نور — کہ بود دہر بہ پیرایۂ از تار رحلل

وزیر نے نامیہ کو بلا کر حکم دیا " ابھی ماہیتِ دہر سے تمام خرابیاں دور کر دی جائیں " اس نے سب سے پہلے رات سے سیاہی دور کی۔ دو شعر اس مفہوم کے تم نے سن لئے ۔ امثلہ و استعارات کی ندرت دیکھیے کو دوسرے شعروں میں کس خوبی اور لطافت سے نظم کیا ہے۔

فارسِ دہر، بہ مضمارِ زمانہ بگزید — ز آخورِ خویش یکے ادہم و دیگر ارجل
لیک شد ارجلش از پویہ چنان گرم عنان — کہ شد ادہم چو خرِ سنگ بکھسا ر وحل

مضمار، گھوڑ دوڑ کا میدان ۔ آخور، اصطبل ۔ ادہم سیاہ گھوڑا مشکی ۔ یہ شب سے استعارہ ہے ۔ ارجل وہ گھوڑا جس کا ایک پیر سپید ہو، استعارتاً دن ۔ فرماتے ہیں

" شہسوارِ زمانہ نے، اپنے اصطبل سے دو گھوڑے، ایک مشکی اور ایک ارجل انتخاب کرکے دونوں کو گھوڑ دوڑ کے میدان میں جگہ دی مگر ارجل اسقدر تیز رفتار نکلا کہ مشکی اس لنگڑے گدھے کی طرح جو ناہموار زمین پر چل رہا ہو، منہ دیکھتا کا دیکھتا رہگیا "

عارضِ زنگیٔ شب، گشت چنان کافوری — کہ شود چشمۂ انوار از و چشمِ زحل
روز، بر دیدۂ حربا، لبِ بیغارہ کشاست — کہ شد از جلوہ پرستاریٔ خورشید احول
آن چنان نقطۂ شب محو شد از صفحۂ دہر — کہ سیاہی نکند باز بچشمِ احول

عرفی نے "دیدۂ روز" کو "احول" قرار دیا تھا۔ احول کو ہر چیز دو دو نظر آتی ہے۔ اسلئے دن کی آنکھ کے احول ہو جانے سے اسکی زیادتی مراد لی۔ یہ مجاز مرسل ہے۔ آصفی نے یہ قافیہ ان دو شعرون مین باندھا ہے جن مین دوسرا شعر عرفی سے بلند ہے۔ شب کو ایک سیاہ نقطہ فرض کر کے، زمانہ سے اسکو ایسا ناپید کیا۔ کہ بھینگا زائد دیکھنے کے باوجود نہین دیکھ سکتا۔

دستِ خورشید بآئینۂ زنگاریٔ شب زدہ با مصقلۂ خطِ شعاعی صیقل

سورج نے رات کے تاریک آئینہ کو اپنے کرن کے آلۂ صیقل سے سپید براق کر دیا

اب ہم عرفی اور آصفی کے ہمقافیہ اشعار پہلو بہ پہلو لکھ کر دونون کے مرتبۂ کلام کو نمایان کرتے ہین فیصلہ ناظرین کی سلامت ذوق پر موقوف ہے۔

عرفی
وقت آن ست کنون کز اثرِ عیش و نشاط
مے نگنجد بصراحی و صراحی بہ بغل

آصفی
غنچہ و گل زشرابے کہ بجامِ ابر بست
مست آید بچمن، ساغر و مینا بہ بغل

عرفی یہ کہنا چاہتا ہے۔ کہ "عیش و نشاط کا موسم ہے کوئی کس طرح ضبط کرے۔ شراب خود صراحی سے نکلی پڑتی ہے۔ اور پی لینے کی پنہان دعوت دیتی ہے"

آصفی نے مفہوم تو یہی لکھا۔ مگر جدتِ ادا سے شعر کو بہت لطیف بنا دیا۔ جب تک عالم پر خشکی کا سکہ روان رہتا ہے۔ سبزۂ گل پژمردہ نظر آتے ہین۔ اور ہر سمت مردنی سی چھائی ہوتی ہے لیکن جہان ابر اُٹھا۔ اور بارش شروع ہوئی۔ دفعۃً تمام نباتاتی مخلوقات مین زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اور ٹھنڈی ٹھنڈی فضا مین غنچہ و گل ناچنے لگتے ہین۔ شراب کا بھی تقریباً یہی اثر ہے۔ ادھر حلق سے اتری، ادھر جذبات زندہ ہو گئے۔ اور انسان جھومنے لگا۔ آصفی بارش کے پانی کو شراب قرار دیکر فرماتے ہین۔

"یہ اس جام ابر ہی کی شراب کا اثر ہے۔ کہ چمن مین کلی، اور پھول، جھومتے ہوئے، ساغر و مینا بغل مین دبائے رقصان نظر آتے ہین"

غنچہ و گل کا پیالہ اور صراحی بغل مین لئے آنا کسقدر لطیف ہے۔ غنچہ و گل کی بناوٹ سے پہلی نظر مین آنکھ اسے حقیقت مان لیتی ہے۔

دیکھو۔ عرفی نے جو سعی کی تھی۔ وہ آصفی کے قلم سے بار آور ہوئی۔ اسی مفہوم کو دوسری جگہ مصحفی نے اس طرح نظم کیا ہے۔

غنچۂ گل، کہ بود طفل بگہوارۂ شاخ ق در قماطے کہ قماشش بنود جز مخمل
میکند شوخی و یک لحظہ نمی آساید دایۂ باد کشد تنگ ز مہرش بہ بغل

کلی ایک ننھا منھا سا پیارا بچہ ہے۔ جو مخمل کے بچھونے پر پڑا ہوا مچل رہا ہے۔ ہوا اسکی دایہ ہے۔ ہٹ دیکھکر اسے بہلاتی ہے اور سینہ سے چمٹا لیتی ہے۔ کہ شاید اسی صورت سے چھپ جائے

بغل کا قافیہ عرفی نے پھر نظم کیا ہے۔

عرفی
حور گیسو بہ میان بستہ در آید بہ چمن
تا لبالب کند از سنبل و گل جیب و بغل

آصفی
دشت را لالۂ و ریحانست بدامان و کنار
گلستان را گل و نسرین ست، بہ جیب و بغل

آصفی کا شعر عرفی کے شعر سے لطیف تر ہے۔ «دامان و کنار» اور «جیب و بغل» کا سنگم لطافت دو بالا کرتا ہے آصفی نے یہ قافیہ دو جگہ اور نظم کیا ہے۔ فرماتے ہین۔

گر بگلزار بہ مجمر بفشانند سپند
می شود دود چو سنبل بہوا دست و بغل

چمن از سبزۂ و سنبل قفسے را ماند
کہ درو سبزک و طوطی ست بہم دست و بغل

سنبل سیاہ رنگ اور پریشان مو ہوتا ہے۔ دہوان بھی جب انگیٹھی سے بلند ہو کر فضا مین سفر کرتا ہے۔ تو سیاہ اور پریشان سا ہوتا ہے۔ شاعر کا تخیل موسم گل مین، دھوین کو سنبل سمجھتا ہے۔ اور مدعی ہے۔ کہ سنبل دراصل دہوان تھا۔ فیض بہار سے پھول کی شکل اختیار کر کے ہوا سے کھیل رہا ہے۔

دوسرا شعر «دست و بغل» کی بہترین توجیہ ہے چڑیا گھر مین تم نے دیکھا ہوگا۔ ایک ایک پنجرے مین دس دس بیس بیس مختلف رنگ کی چڑیان بند ہوتی ہین۔ کوئی سبز ہوتی ہے۔ کوئی خاکی، کوئی سپید وغیرہ۔ چمن مین بھی ایک ایک قطعہ مین متعدد رنگ کے پھول اور کلیان لگی ہوتی ہین۔ شاعر چمن کو قفس سے تشبیہ دیتا ہے۔ جہان سنبل اور سبزہ ایسے باہم گلے مین ہاتھ ڈالے بیٹھے ہین۔ جیسے پنجرے مین طوطا اور سبزک پاس پاس بیٹھے نظر آئین

عرفی
نامیہ، چون چمنِ سبزہ، دہد نامش
ناقص از کارگہ آرند بباغ از مخمل

آصفی
قطرۂ شبنم غلطان، بہ بساط سبزہ
درِ غلطان بہ نماید بہ بساطِ مخمل
زاہتزازِ طرب آہنگئی سامانِ بہار
بر ہوا می فگند، سبزہ، کلاہِ مخمل

عرفی کا شعر فلک پیما ہے وہ نامیہ کی دستگاہِ کرم کو اسدرجہ متاثر بناتا ہے کہ اگر کارخانہ سے آدھی بنی آدھی بے بنی مخمل اُٹھا لائین اور چمن مین ڈالدین۔ تو نامیہ جہان سبزہ کو پرورش کرے مخمل کو بھی مکمل کردے یہ نہایت لطیف مبالغہ ہے۔ لیکن آصفی نے قافیہ کی بندش بہاریہ اسلوب سے کی ہے۔ پہلا شعر صاف ہے۔ گھانس ہری ہری مخمل ہی کجھی معلوم ہوتی ہے اسپر اوس کے قطرے صبح کے وقت آفتاب کی نوجوان کرنون کے زیر عکس موتی سے بکھرے نظر آتے ہین۔ یہ تشبیہ عام فہم اور منظر کی سچی تصویر ہے۔ دوسرا شعر اہتزار و طرب کے پہلو کو نمایان کرتا ہے۔

جوش اور وفور جوش ہین۔ انسان قابو مین نہین رہتا اس کیفیت کے اظہار کے لئے اس سے بلا اختیار کچھ نئی حرکتین سرزد ہوتی ہین۔ از انجملہ ہوا مین ٹوپیان اچھالتا ہے۔ موسم بہار مین سبزہ ہوا مین لہلہاتا ہوتا ہے۔ تو اس کا پھول یہ معلوم ہوتا ہے کہ ٹوپی ہوا مین اچھالی جارہی ہے۔ شاعر اس منظر کو شاعرانہ زبان مین بالتوجیہ بیان کرتا ہے۔

" سبزہ، چمن مین کیون مست و سرشار نظر آتا ہے؟ اسلئے کہ چارون طرف عیش و عشرت کا سامان مہیا کر کے بہار نے نوجوانان چمن کو دعوت دی ہے۔ کہ دادِ عیش و نشاط دین۔ خزان کے ستم کے بعد یہ پہلا موقع ہے۔ کہ ایسا سہتا بچنا عیش میسر ہوا ہے۔ سبزہ اس خوشی مین آپے سے باہر ہوگیا ہے اور بلا ارادہ ہوا مین ٹوپیان اچھال اچھال کر، خوشی کے جوش کو گھٹا رہا ہے "

عرفی　　فیض نیرنگِ بہار بیست در آتش زہوا　　　عرق از شبنم گل داغ شود بر رخ حور　　آصفی
　　بالِ طاؤس کند جلوہ ز دودِ منقل　　　اخگر از فیض ہوا سبز شود در منقل

عرفی اور آصفی دونون ہوا کو معجزاثر مانتے ہین، لیکن عرفی اس مین مبالغہ سے کام لیتا ہے اور ہوا کے اثر سے چنگاریون کو سرسبز بتاتا ہے گو بات خوب ہے، لیکن صرف بات ہے۔ آصفی قافیہ کو حقیقت نما بنانا چاہتے ہین، شعر کو بغور پڑھو متخیلہ نگاہون کے سامنے، نہایت حسین منظر پیش کرتی ہے

" انگیٹھی مین کوئلہ روشن کیا جائے، تو شعلے اور دھوان ملے جلے باہر نکلتے ہین۔ دھوین کا رنگ یونتو سیاہ سا ہوتا ہے، لیکن ابر مین، مائل بہ سپیدی نظر آتا ہے، چونکہ ابر مین فضا تاریک ہوتی ہے، اسلئے اس سیاہی اور سپیدی سے ایک دوسرا رنگ پیدا ہو جاتا ہے، جو ہلکا نیلا یا فیروزی کہا جا سکتا ہے۔ شعلہ عموماً سرخ رنگ معلوم ہوتا ہے، لیکن اکثر اوقات بلند ہوتے وقت، اور کبھی کبھی ناپید ہونے سے ذرا پہلے، نیلا یا اودا ہو جاتا ہے۔ یہ منظر بالکل عام ہے۔ شاعر بھی دیکھتا ہے، لیکن نگاہ شاعرانہ ہے اسلئے وہ اس سیاہی سفیدی، نیلاہٹ، سرخی، اور اوداہٹ کو یکجا ہوا مین اڑتا دیکھکر، اُسے طاؤس سمجھتا ہے۔

موسم ہے بہار کا۔ ہوا کا فیضِ نیرنگی اسکے تخیل پر چھایا ہوا ہے اس لئے اسکا خیال فوراً یقین سے بدل جاتا ہے، وہ یہی خیال کرتا ہے کہ فیضِ ہوا ہے، دھوان اور شعلے، جاندار مور بن گئے ہین یہی مفہوم دوسری جگہ اس طرح نظم کیا ہے۔

خرمی را سر و سامانِ دگر از جدول　　　تازگی را سر و برگیست بہ گلشن ز سحاب
موجِ گل، شعلۂ آتش ز ہوائے منقل　　　غنچہ، اخگر شود و سبزہ شود خاکستر

عرفی　　تلخکامی کہ کشد ساغرِ زہرابۂ غم　　　بسکہ ہر خار گلے کردہ عجب نیست اگر　　آصفی
　　بحلاوت ز لبش جوش زند موجِ عسل　　　یاسمین بشگفد از نشترِ زنبورِ عسل

عرفی کا شعر یونہی بہار در دامن ہے لیکن " عجب نیست " سے لطف معنی اور زائد ہو گیا۔ مولانا کیفِ بہار کو کائنات مین اس درجہ موثر بتاتے ہین، کہ وہ اعراض و جواہر کی طبیعت تک بدل سکتا ہے۔ اگر موسمِ گل مین کوئی تلخ کام، غم کا زہر آلود پیالہ پی لے۔ تو شیرینی بہار زہر کی تلخی کو حلاوت مین تبدیل کردے اور پینے والے کے ہونٹون سے، شہد کا دریا موجین مارتا نظر آئے۔ یہ صرف مبالغہ ہے۔ اگر کچھ حقیقت ہے تو اتنی کہ موسم بہار مین طبیعت کچھ بشاش ہو جاتی ہے، اور انسان کو خود بخود سرور سا آنے لگتا ہے۔ جسکو مولانا نے اسقدر بڑھا دیا ہے

عرفی　　کز پئے بوسہ دو لب را بہم آرد جدول　　　بسکہ از سنبل و گل یافت صفا نزدیکیست

عرفی کا مقصد یہ ہے۔ کہ نہر کے دونون کنارون پر پھولون سے لدے درخت کھڑے ہین۔ جب ہوا چلتی ہے۔ ایک ڈھیر کا ڈھیر دونون طرف نہر مین جا پڑتا ہے۔ یہ روزمرہ کی صورت حال یہان تک پہنچ چکی ہے۔ کہ اب دو چار ہی دن مین، پھولون کا ایک کنارہ دوسرے سے ملجائے گا۔ اور یہ معلوم ہوگا۔ کہ نہر نے اپنے دونون ہونٹ بند کر لئے ہین۔ اس مین شاعر نے "از پے بوسہ" اور اضافہ کر دیا۔ جو عرفی کے منہ سے ضرور اچھا معلوم ہوتا ہے۔

مولانا نے اس قصیدہ مین تین جگہ یہ قافیہ نظم کیا ہے۔ فرماتے ہین

سبز از فیضِ بہار نیست چو برگِ خرم — برگِ خشکے کہ فتادہ ز خزان در جدول
تازگی را سرو برگیست بہ گلشن ز سحاب — خرمی را سر و سامانِ دگر از جدول

یہ شعر انوری وغیرہ کی زبان سے ہوتے تو اچھے معلوم ہوتے۔ صرف بہار کی تازگی اور خرمی کا اثبات مقصود ہے۔ جہان اوپر سے ابر درختون پر زندگی برساتا ہے۔ مسطح زمین پر تہ تازگی کی رنگین ادھر ادھر پھیلا دیتی ہے۔ پانی پر درختون کی سرسبزی اور شادابی کا مدار ہے۔ اسلئے نہر خرمی کا سر و سامان ہے۔ اور ضرور ہے۔ پھر خشک پتہ نہر مین جا پڑے۔ اور خرم نظر آنے لگے۔ تو تعجب کیا ہے

مگر تیسرے شعر مین آصفی نے قافیہ اپنا کر لیا۔ آسمان پر دھنک برسات کا ایک عام منظر ہے۔ بچہ بچہ واقف ہے۔ شاعرانہ الفاظ مین کہا جائے تو یہ جی چاہتا ہے۔ کہ کسی طرح اُڑ کر اس مین جا بیٹھین موسمِ بہار، ہندوستان مین، برسات کا نام ہے۔ ہر چہار طرف پھول ہی پھول ہوتے ہین۔ ہوا چلتی ہے۔ اور پھول رقص کرتے ہین، تو رنگ موجین مارتا نظر آتا ہے۔ ہر چمک دمک والی شے دوسری شے کو اپنے اندر دکھاتی ہے۔ بارش نے گرد و غبار صاف کر کے آسمان کو آئینہ کی طرح روشن کر دیا ہے۔ اسلئے نظر اٹھا کر دیکھئے تو ایک عجیب تماشہ نگاہون کو جذب کئے لیتا ہے۔ آسمان کی نگارین سطح پر پھولون کی رنگین موجین متحرک، یہ معلوم ہوتی ہین۔ کہ قوسِ قزح کی طرح رنگ برنگ کے خط ہین۔ جو دست بگریبان ہین۔ یہ ہے شاعری کا وہ مقام جہان تک مصور کا تخیل بھی رسا نہین۔ فرماتے ہین۔

عکسِ موجِ گل و لالہ صفتِ قوسِ قزح — می کشد بر ورقِ چرخ نگارین جدول

عرفی
شاید، او عذرِ پرستار پذیرد بحشر
بسکہ برداشت صفا صورتِ عزی و ہبل

آصفی
محفلِ باغ ز بتخانہ بآذین کم نیست
کبریائی گلان نیست کم از لات و ہبل

عرفی کا شعر حدِ اعجاز کو پہنچ گیا ہے۔ اور اسکے اس شعر کا تو جواب ممکن نہین

انبساطیست درین فصل، کہ بے کاوشِ عقل — شاید، ار باز شود عقدۂ ما لا ینحل

عرفی
لیلے از گوشۂ محمل بنمودست جمال
یا بود لالہ کہ سر برزدہ از گوشۂ تل

آصفی
تودہ تودہ ز ریاحین ست بصحرا و دمن
پشتہ پشتہ بود از لالہ بکوہ و سرِ تل

آصفی

دشت و گلزار و دمن از گل ونسرین و سمن
چمنے در چمنے دار د و تل بر سرِ تل

سدرہ و طوبیٔ جنت، ز چمن سرزدہ اند
یا کہ شمشاد و سہی سرو دمیدہ سرِ تل

آصفی کا تیسرا شعر عرفی کے برابر ہے۔ مگر پہلے دو شعر اعجاز کی حد تک پہنچ گئے ہیں۔ زور، اور روانی، و جوش میں، عرفی کے ہاں مخصوص اشعار ہونگے، جو ان کے ہم پلہ ہوں۔ تودہ تودہ۔ پشتہ پشتہ، چمنے در چمنے، اور تل بر سرِ تل، جدتِ تراکیب کی نادر مثالیں ہیں۔

قطعہ میں پھر مولانا اس قافیہ کو نظم کرتے ہیں۔

خوشۂ سنبلہ خرمنِ ماہ کامل حظِ دہقانِ فلک بود زاجناسِ اقل
عجبے نیست کہ از فیضِ ربیعی گردد کشتِ او سبزہ بر دمند بصد خرمن و تل

ابھی تک دہقانِ فلک کو جو کچھ فصل سے حاصل ہوا تھا۔ وہ سنبلہ کے خوشے، اور چاند کا کھلیان تھا۔ اب ربیع کی فصل آ پہنچی۔ کچھ عجب نہیں۔ اگر اس کے کھیت میں ایک کی جگہ ہزاروں خرمن اناج پیدا ہو جائے۔

توازن نے ہمیں کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ اب ہم دونوں کی غزلیں پہلو بہ پہلو نقل کرتے ہیں توازن تم خود کر لو۔

عرفی

اے شب ہجر تو، در دیدۂ خورشید سبل
چشمِ روح القدس از شوقِ جمالت احول

مژہ بر ہم نزدم دوش کہ در بیتِ حزن
تا صباحم در دل کوفت تمنائے اجل

از دل و دامنِ آلودہ دریاس مزن
دجلۂ عفو بایں ہا نشود مستعل

بعذابِ ابدی، دل نگذارد غمِ دوست
این نہ مویست کز آتش بکند ترکِ عسل

لذتِ تلخی دردِ تو اگر شرح دہم
نوشدارو بفرستم بہ سلامِ حنظل

آصفی

اے جمالِ تو بہارِ چمنستانِ ازل
جلوۂ تست بہشتِ طربِ مستقبل

غمِ ہم چشمیٔ دشمن بعدم باز کشد
نکنم پیش تو زین رشک تمنائے اجل

کبریائی تو اے آفتِ دین کرد مگر
کافریں جلوہ بہ بیت الصنم لات و ہبل

لذتِ دردِ تو در سینۂ حسرت ناسور
زند آن جوش کہ از دل برود ذوقِ عسل

زہرِ ناکامیٔ وصلِ تو ز عمرے نوشم
نوش گردد بلبم تلخیٔ طعمِ حنظل

عرفی

چند ازین آتشِ خس پوش برانگیزی دود
اے بجوشِ جوہری آئینۂ حسنِ تو مثل

آصفی

غیرتِ حسن بآئینہ ازان رو ندہد
کہ شود چشمِ تماشا زخیالش احول
بہ غیوری نگزارد بگلستان قدمے
کہ نبو سد کفِ پا سبزہ چو خوابِ مخمل
سیلِ حسنِ تو بنائے دلِ ما کرد خراب
ازچہ در خانۂ آئینہ نیفتاد خلل
از پئے جورِ تو بینیم ز ایام جفا
خوے افلاک بخوے تو مگر گشت بدل
باغبان خون شدم از شیوۂ بیدردی تو
ندہی رخصتِ فریاد نہ آہنگِ غزل

مولانا کے اس قصیدہ کی تشبیب کے اکثر اشعار تم پڑھ چکے۔ چونکہ وہ جوشِ مسابقت کے ممنون ہین۔ اس لئے بلند ہین دو چار شعر وہ بھی سن لو۔ جو زیر بارِ تقابل نہین۔ کسی آیندہ فرصت مین باقی دونون قصیدون سے مقابلہ و موازنہ کیا جائیگا۔

شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ میخیزد۔

بسکہ از تربیتِ فیضِ نگاہِ نیسان	مادۂ طبعِ بحارست بکہسار دملل
عجبے نیست کہ ہمچون صدفِ گوہرخیز	جائے یاقوت گہر زا شود انلالِ جبل
ابرِ سرچشمہ کشادہ ست ز شیرینیِ عیش	موجۂ شہد زند در ریشۂ تخمِ حنظل
گوہرین تاج نہادہ بسرِ خسروِ گل	دستِ اقبالِ بہاران بگزین گوہرِ حل
بسکہ از فیضِ لطافت بصفا می بالد	عینکِ دیدۂ نرگس شود اوراقِ بصل
بسکہ نیرنگِ بہارست نگزارد دمن	ہر نہالے زدہ ہمچون دمِ طاؤس کلل
بہ تمنائی یقولاتِ ربیعی بفلک	فربہی مفت بیالد بہ تنِ جدی و حمل
نامیہ ہر نفسے رنگِ بہار آمیزد	بیکرِ نیمرخِ غنچہ شود مستقبل
عجبے نیست کہ از تربیتِ فیضِ بہار	چون رگِ نالہ، رگِ شعلہ شود در مشعل
سنگ از لطفِ ہوا وضعِ نزاکت دارد	کارگاہے دگر از شیشہ گری گشت جبل
سرخیِ رنگ و سیاہیِ بدلِ لالہ بود	ہمچو آن شعلہ کہ بر دود بود در مشعل
دشت و کہسار، شبستانِ فلک شد از نور	سر زدہ لالہ چو خورشید درخشان ز حمل

چشم بکشا بشکوہ چمن د کوہ وتلل — شد ریا حین کدہ از صنعتِ صناعِ ازل
لعبتانِ گل و لالہ زپسِ پردۂ خاک — سر برآوردہ بصد ناز چو خوبان بہ حُلل
تازہ چون لالۂ نورستہ بود شعلہ لبسنگ — سبز چون دانۂ بالیدہ شررہا بہ جبل
آبِ سرچشمۂ خورشید بود سبز مدام — افگند عکس اگر سبزۂ کہسار و تلل
سبز شد آئینۂ آب چنان در انہار — سبز دموجِ صبا زنگ بزدِ صیقل
گر نسیم سحری سوے فلک رد آرد — می نماید بکواکب چو گلِ باغ عمل
طبعِ صیاد چنان طرح صفا ریختہ است — کہ شود چینِ جبینِ چمنش، دامِ حیل
گل کند چارۂ دردش بہ مسیحا نفسی — بلبلے نالہ کشد گر بگلستان زعلل
گلرخان گر بگلِ تازہ مژہ بکشا نید — موے مژگان برگِ گل بنما یند بدل
از گل افشانی و از لالہ دمانی بہار — گلستان دشت و دمن، لالہ ستان کوہ وتلل
آنچنان عہد شکستہ است خزان باز نماند — از پئے عہد بہاران غم تحویل و بدل
رنگ بخشند برخِ شاہدِ امید جہان — بادۂ عشرتِ حال و طربِ مستقبل

(باقی) **خان امتیاز علی عرشی** (رامپوری)

انتخاب نگارستان

(یعنی حضرت نیاز کے ادبی مضامین کا مجموعہ)

آگرہ یونیورسٹی کے درجہ بی۔اے میں اردو ٹیکسٹ بک کی حیثیت سے داخل ہے۔ میرٹھ، آگرہ، کانپور وغیرہ میں جہاں کے کالج آگرہ یونیورسٹی سے متعلق ہیں، نصاب کی کتابیں فراہم کرنے والے، اگر ابھی سے آرڈر دینگے تو اُن کے ساتھ خاص رعایت ہوگی۔ کتاب زیر طبع ہے۔

منیجر نگار۔ لکھنؤ

وزیر حربیہ کی پر راز زندگی

وائی کونٹ بائسلے، وزیر جنگ اپنی لیموزین یعنی بند روس (موٹر کار) کے سامنے کچھ دیر کھڑے رہ کر سگار جلاتے رہے، خادم موٹر کا دروازہ کھولے برہنہ سر مودب کھڑا تھا، جب سگار اچھی طرح روشن ہو گیا تو وائی کونٹ نے پہرے کے سپاہی کی طرف دیکھکر اس کے فوجی سلام کا سر کے اشارے سے جواب دیا اور سگار کا ڈبہ جیب میں رکھتے ہوئے موٹر کے اندر بیٹھ گئے، خادم نے نرم کھال کا قیمتی کمل اُن کے گھٹنوں پر ڈال کر ٹانگوں کے گرد لپیٹ دیا، کاغذات کا دستی چرمی بکس قرینے سے سامنے براکٹ پر رکھدیا، اور دروازہ بند کر کے شوفر کے ساتھ بیٹھ گیا، موٹر پارلیمنٹ یارڈ سے نکل کر آہستہ آہستہ داہنی طرف سے مڑا، اور دسٹ منسٹر برج سے گزرتا ہوا دکھن کی طرف چلا، نومبر کا مہینہ تھا اور سات بجے شام کا وقت، غضب کی سردی پڑ رہی تھی اور ہر طرف کہر چھایا ہوا تھا، اور ایسا سخت کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا، مرکوں پر آمد و رفت گویا بند تھی، صرف چند موٹریں اپنے لیمپوں کی تیز روشنی ڈالتی ہوئی اور ہارن بجاتی ہوئی آہستہ آہستہ ادھر اُدھر جا رہی تھی، سڑکوں کی روشنی بالکل پھیکی پڑ گئی تھی، کہرے کی وجہ سے سانس لینا دشوار تھا اور ہلکی ہلکی بارش سے سڑک پر چلنا مشکل

کچھ دیر تو وائی کونٹ بائسلے بیٹھے سگار پیتے رہے، پھر انھوں نے سامنے براکٹ سے ایک اخبار نکالا اور اسے کھولکر پڑھنے لگے، پہلے ہی صفحہ پر موٹے حرفوں میں یہ سرخی درج تھی

ہاؤس آف کومنس (دار العوام) میں حیرتناک افشائے راز وزیر جنگ کے خلاف مسٹر ہنڈ یو بالشویک ممبر کی تقریر، وزیر جنگ کا غیر تشفی بخش جواب وزارت کی شکست اور اسکے مستعفی ہو جانیکا تیقن

وائی کونٹ بائسلے نے سرخی پڑھنے کے بعد آگے پڑھنا شروع کیا، یہ ایوننگ اسٹار کا ساڑھے پانچ بجے کا پرچہ تھا، سرخی کے آگے لکھا تھا:۔

ہاؤس آف کامنس میں آج چار بجے جب جنرل مارٹن کے خلاف مقدمہ چلائے جانیکا قضیہ پیش ہوا تو نائب وزیر جنگ مسٹر گرنڈے نے گورنمنٹ کی طرف سے بیان کیا کہ پشاور کی چھاونی میں جنرل مارٹن جب جنرل افیسر کمانڈنگ تھے تو انھوں نے اپنی بیٹیوں کی شادی کے موقع پر چھاونی کے کئی انگریز اور ہندوستانی ٹھیکہ داروں سے بہت سا روپیہ قرض لیا تھا اور کئی قیمتی تحفے بھی قبول کئے تھے لیکن یہ رقمیں اصل میں رشوت تھیں، انھیں کی غفلت سے سلاح خانہ سے دو ہزار رائفلیں سرحدی ڈاکو چرا لیگئے اور وائسرائے ہند اور کمانڈر انچیف نے انھی اسباب کی بنا پر کورٹ مارشل کے فیصلے کے بعد جنرل مارٹن کو کمان سے علیحدہ کر دیا تھا"

نائب وزیر جنگ کے اس بیان کے بعد ہر طرف سے سوالات کی بوچھار شروع ہو گئی مگر وہ سبھوں کو یہ کہکر ٹالتے رہے

کہ ابھی صرف اتنی ہی خبریں موصول ہوئی ہیں آئندہ مفصل رپورٹ دونوں مجلسوں کے سامنے پیش کردی جائیگی، فرقہ مخالف کے لیڈر کی تشفی کرتے ہوئے انھوں نے اسکا وعدہ کیا کہ آئندہ مجلس میں اس موضوع پر اسکو اظہار رائے کا موقع دیا جائیگا

اس جواب کے بعد دوسری بحث شروع ہوا ہی چاہتی تھی، کہ مسٹر انٹونیو محلہ چلیسی کے منتخب ممبر نے کھڑے ہوکر صدر سے کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہی اور انھوں نے دوران تقریر میں کہا کہ فوج کے ادنی، اعلیٰ افسروں کا رشوت کی رقمیں لے لینا بعید از قیاس نہیں جبکہ وزیر جنگ خود ایک ایسا شخص ہے جس نے فریب، دھوکہ، چوری، بے ایمانی، ظلم و ستم سے آج اپنے کو اس قابل بنالیا ہے کہ دارالامراء میں خاندانی رئیسوں کے ساتھ بیٹھکر اس عظیم الشان سلطنت کے حربی وزارت کا نظم ونسق کر رہا ہے

یہ الفاظ اور ایسا حیرت انگیز اتہام سن کر مجمع میں ایک ہلچل مچ گئی اور ہر طرف سے لعنت ملامت کی آوازیں آنے لگیں کچھ لوگ غصہ میں اسپر بھی آمادہ نظر آئے کہ مسٹر انٹونیو کو زدوکوب کریں، لیکن بعض لوگ مطلقاً مرعوب نہ ہوے اور مسکراتے رہے رفتہ رفتہ جب "آرڈر، آرڈر" کی پکار سے شور کم ہوا تو مسٹر انٹونیو نے اپنا سلسلۂ کلام پھر شروع کیا:- "مجھ پر یہ اچھی طرح روشن ہے کہ اس معزز مجلس میں میرا کوئی ساتھی نہیں اور نہ کوئی جماعت میری حمایت کرنے والی ہے، میری ذاتی حالت سارے عالم پر منکشف ہے اور مجھے اس کے اعادہ میں مطلق شرم نہ کرنا چاہیے، کہ میں جوتے بنانے والا ایک غریب چمار ہوں، میری انگلیوں کے گھٹے، یہ بڑھے ہوے ناخن، استرے قینچی سے ناآشنا مونچھ داڑھی کے لمبے لمبے بال، میری سخت زبان اور میرا غیر شایستہ طرز گفتگو یہ تمام باتیں ایسی ہیں جنکا میں خود معترف ہوں، مگر میں اپنی کمزوریوں اور مجبوریوں کی وجہ سے حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتا، میری یہ خامیاں صرف اس کا پتہ دیتی ہیں کہ اس ملک کے بدترین فرقہ میں پیدا ہوں اس شایستہ قوم کی غیر شایستہ اکثریت کا میں ایک عبرت انگیز نتیجہ ہوں ——— جسمیں اقلیت کے چند دولت مند نفوس اکثریت کے جائز حقوق پایمال کرنے میں مطلق باک نہیں کرتے، جناب صدر! میں جاہل سہی، گنوار سہی، مزدور سہی، مگر میرے پہلو میں دل ہے اور دل میں درد، میں اپنی آنکھوں سے جو دیکھتا ہوں اس سے متاثر ہوتا ہوں اور پھر زبان پر جس طرح بھی آتا ہے بک دیتا ہوں، آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ چار سو شلنگ سالانہ جو مجھکو پارلیمنٹ کے ممبر ہونے کی حیثیت سے ملتی ہیں وہ سب کی سب یا تو میں اپنے محلہ کے اندھوں کے اسپتال کو دیدیتا ہوں، یا اس سے اُن غریب عورتوں کی مدد کرتا ہوں جو مجبوراً شرمناک زندگی گذارنے کے بعد اب موت کی منتظر بیٹھی ہیں ——

جناب میری گذر اسی جوتہ بنانے سے ہوتی ہے، شب کے وقت جب اس مجلس کے تقریباً کل ممبر اچھے اچھے ڈنر کھا رہے ہوں گے، یہ دیکھیے یہ سوکھی روٹی اور ٹھنڈا گوشت اپنی جیب سے نکال کر پانی کے چند گھونٹ کے ساتھ حلق کے نیچے اُتاروں گا

جناب صدر! اپنے اس دکھڑے کے دھرانے سے میرا مقصد صرف یہ تھا کہ میں ممبروں کو یہ بات اچھی طرح سمجھادوں کہ وزیر جنگ وائی کونٹ بانسلے کے خلاف ایسے سخت اتہام لگانے سے نہ مجھے کسی نفع کی امید ہے اور نہ کوئی میری ایسی جماعت ہے جو اسکے مستعفی ہونے سے فائدہ اٹھاسکتی ہے، جناب میں اسوقت جو کچھ کہہ رہا ہوں سچ کہہ رہا ہوں خدا کو حاضر و ناظر سمجھکر کہہ رہا ہوں اور آپ کو میری باتوں کا یقین نہ ہو تو یہ بتایئے کہ جنگ سے پہلے وائی کونٹ بانسلے کون تھے، ایک اجنبی گمنام

تاجر جنھوں نے ۱۹۱۲ء میں جنوبی افریقہ سے آکر ایک مختصر پیمانے پر اپنا کاروبار شروع کیا تھا، برائے خدا کوئی یہ بتائے کہ اس سے قبل بھی کسی نے مسٹر میکبسی کا نام سُنا تھا، آخر یہ حضرت کون تھے؟ جنوبی افریقہ میں اِن کا کیا شغل تھا؟ یکا یک اِن کے ہاتھ اتنی دولت کیونکر آگئی، جنوبی افریقہ جانے سے پہلے یہ کون تھے اور کیا تھے کوئی ہے اس بڑی مجلس میں جو میرے اس سوال کا جواب دے سکے، کوئی بھی نہیں، کیوں، اسلئے کہ سوائے وہ ایک کے کسی اور کو معلوم ہی نہیں، ہاں چند دن ہوئے میرے پڑوس کی ایک بدنصیب عورت نے مجھے اپنے بسترِ مرگ کے پاس بلا کر اپنی دکھ بھری رام کہانی سنائی چند کاغذات حوالے کئے چند جملے کہے اور آنکھیں بند کرکے ہمیشہ کیلئے خاموش ہو گئی، مگر جناب صدر! عالمِ نزع میں اس عورت کی مرتعش زبان سے جو الفاظ نکلے تھے وہ ابتک میرے کانوں میں گونج رہے ہیں اور اس کی کانپتی ہوئی انگلیوں سے جو کاغذات میں نے لئے تھے وہ میرے پاس محفوظ ہیں۔

جناب صدر! جنگِ عظیم کے موقع پر ملک کو، قوم کو، سلطنت کو، سامانِ حرب کی ضرورت تھی، گوشت اور مکھن کی ضرورت تھی، روئی اور چارے کی ضرورت تھی، اور ضرورت بھی ایسی کہ اگر وہ فوراً نہ پوری کی جاتی تو آج ہم سب جرمنی کے غلام ہوتے، بکنگھم پیلس (قصرِ شاہی) پر یا تو ہل چلائے گئے ہوتے، یا اُسے ایک عجائب خانہ بنایا گیا ہوتا، یا اسمیں کڑی مونچھوں والا کوئی جرمن جنرل لندن کے گورنر کی حیثیت سے مقیم ہوتا، یہ سب چیزیں ہر ممکن طریقہ سے حاصل کی گئیں نہ کسی سے کچھ پوچھا گیا اور نہ کسی کے جواب کا انتظار کیا گیا، میکبسی کون تھا، نہ مجھے پہلے معلوم تھا اور نہ اب، مگر ہاں میرے پاس اسکے ثبوت موجود ہیں کہ اسی میکبسی نے جنگ کے زمانہ میں ارجنٹائن اور برازیل سے قحط کی جھوٹی رپورٹیں بھجوا کر لندن کے بازار میں گوشت اور گیہوں کی قیمت چوگنی بڑھوا دی اور خود یہی چیزیں منگوا کر گورنمنٹ کے ہاتھ بیچ کر کثیر نفع حاصل کیا، میں ثابت کر سکتا ہوں کہ میکبسی نے وزارتِ جنگ کے ایک بڑے رکن کو رشوت دیکر کروڑوں کا سامانِ حرب ردی قرار دیکر نیلام کرا دیا اور انھیں کوڑیوں کے مول خرید کر پھر اپنے نام سے گورنمنٹ کے ہاتھ فروخت کر ڈالا، میں جانتا ہوں کہ اس نے سلطنت کے راز کی باتیں دشمنوں تک پہونچائیں، میرے پاس اسکے ثبوت موجود ہیں کہ سلطنت برطانیہ کے مختلف مقبوضات میں بغاوتیں اور شورشیں اس کے ایما اور سازش سے ہوئی تھیں، میں اسکے ثبوت میں کاغذات پیش کر سکوں گا، کہ جنگ کے بعد کوئلہ کی کانوں میں اس شخص کا کتنا بڑا حصہ تھا۔ لیکن اصل یہ ہے کہ اس ملک کے لوگ اندھے ہیں، دولت دیکھکر ان کی آنکھیں چوندھیا جاتی ہیں اور پھر یہ نہیں پوچھتے کہ کون کیا تھا اسی موجودہ وزیرِ جنگ نے ملک کو کس طرح لوٹا، کسی کو بھی خبر نہیں، اسکی ہستی سلطنت کے لئے کتنی خطرناک ہے کسی کو پرواہ نہیں، مگر کسی کم عہدے کے فوجی افسر نے اگر کسی سے ایک سگریٹ کیس قبول کر لیا، چاندی کی دو تھالیاں لے لیں تو اسکی گردن میں پھانسی لگائی جاتی ہے، صدر صاحب میں تو بالشویک ہوں، فوج کا دشمن ہوں، میں جانتا ہوں کہ یہ ایک ایسا حربہ ہے جس کے ذریعہ مختلف قوموں کو ہمارا غلام بنایا جا رہا ہے لیکن میں انصاف پسند ہوں کسی کو اگر میری باتوں کا یقین نہ ہو تو کھڑکیاں کھلی ہیں، مجھ سے پرسش کر لی جائے اور مجھ سے ثبوت طلب کئے جائیں، جناب صدر، اعلیٰ افسروں کو کوئی کچھ نہیں کہتا، لیکن کم درجہ والوں کو برباد کرکے عبرت کے لئے مثالیں قائم کی جاتی ہیں"

مسٹر انٹونیو کی تقریر کے بعد ساری مجلس میں دیر تک سناٹا چھایا رہا اور وزیر اعظم صرف اتنا کہکر کہ وہ اس اتہام کا جواب کل دیں گے چیمبر کے باہر نکل آئے، وائی کونٹ بائسلے جو امرا کی نشست گاہ سے یہ تقریر سن رہے تھے اُٹھکر وزیر اعظم کے کمرہ میں چلے گئے۔ قرینہ غالب یہ ہے کہ یا تو مسٹر انٹونیو کے خلاف مقدمہ چلایا جائے گا، یا وزیر جنگ کو وزارت سے مستعفی ہونا پڑے گا، کیا عجب کہ ملک معظم آج کی رات سینڈرنگھم سے لندن واپس چلے آئیں

وائی کونٹ بائسلے نے مسکراتے ہوئے یہ اخبار موڑ کر رکھدیا، اور دوسرا اخبار کھولکر پڑھنے لگے، روز کا معمول تھا کہ اخبار کی تازہ کاپیاں موٹر میں قرینے سے رکھدی جاتی تھیں اور یہ گھر واپس جاتے ہوئے انھیں پڑھ لیا کرتے تھے، اس دوسرے اخبار میں بھی ممتاز جگہ مسٹر انٹونیو کی تقریر دی گئی تھی، لیکن دوسرے صفحہ پر بحرف جلی یہ لکھا تھا:-

"ہائیکورٹ کے دروازہ پر بم کا پھٹنا اور ہنگامہ میں ایک قیدی کا پُر اسرار فرار"

آج پانچ بجے جب ڈارٹ مور جیل کے گورنر کے قتل میں ماخوذ ہونے والے قیدی اور گواہ ہائیکورٹ سے باہر لاکر پولیس کی موٹروں میں سوار کیے جا رہے تھے، اسوقت سڑک پر کئی بم پھٹے، مگر وقتی ہنگامہ کے علاوہ کوئی اور نقصان نہ ہوا، جب بدبو کم ہوئی اور لوگ اپنے حواس میں آئے تو معلوم ہوا کہ ایک قیدی جو گواہی کے لئے لایا گیا تھا، مفرور ہے اور زیادہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ وہ قیدی ہندوستانی تھا جو کئی سال سے ڈارٹ مور کے جیل خانہ میں مقید تھا، اور اب چند مہینوں میں رہا ہونیوالا تھا۔"

لارڈ بائسلے اخبار سے نظر اُٹھائے کسی خیال میں محو تھے، سگار بجھ چکا تھا اور اُن کی آنکھیں نیم وا تھیں، کچھ دیر یونہی سوچ میں رہنے کے بعد انھوں نے اپنی آنکھیں کھولیں اور اسطرح سر کو جنبش دیکر پھر اخبار کو اٹھا لیا جیسے کسی خیال کو کوشش کرکے دور کر رہے ہیں بجھا ہوا سگار انھوں نے داہنی طرف تشتری میں رکھدیا، اور اخبار پڑھنے لگے۔

کئی سال گزر چکے ہیں اور ممکن ہے کہ ناظرین کو گذشتہ واقعات یاد نہ ہوں اس لئے اختصار کے ساتھ اس ہندوستانی قیدی کے مقدمہ کا حال ذیل میں درج ہے:-

سنہ ۱۹۱۰ء میں دو ہندوستانی لڑکے کلکتہ یونیورسٹی سے ڈگریاں لیکر لندن آئے اور لندن یونیورسٹی کالج میں داخل ہوئے بڑا بھائی مجتبیٰ فزکس اور کیمیا کے تجربے کرنے لگا، اور چھوٹا بھائی مرتضےٰ سول سروس کے امتحان کی تیاری میں مصروف ہوگیا، مجتبیٰ بہت جلد جلد ترقی کرنے لگا اور اس نے دو ہی چار مہینے میں کئی علمی مضامین لکھے جو سائنس کے بادقار پرچوں میں چھپے، چھوٹا بھائی مرتضےٰ اپنا زیادہ وقت کھیل کود، تھیٹر، گھوڑ دوڑ میں صرف کیا کرتا تھا دونوں بھائی جس مکان میں رہتے تھے اس مکان کا مالک ایک پنشن یافتہ فوجی سارجنٹ تھا جو اپنی پلٹن کے ساتھ کئی سال ہندوستان میں رہ چکا تھا۔ اسکا نام جیکسن تھا اور اب یہ اپنے مکان کے سامنے ایک تھیٹر میں دربان تھا، اسکی بیٹی مارگیرٹ بھی اسی تھیٹر میں ٹکٹ بیچنے پر ملازم تھی، لڑکی جوان اور خوبصورت تھی اور دونوں بھائی مجتبیٰ اور مرتضےٰ اس سے محبت کرنے لگے تھے، مگر مارگیرٹ مجتبیٰ کی طرف زیادہ مائل تھی، ایکدن جیکسن اپنے گھر میں داخل ہوا ہی تھا کہ اوپر کے کمروں سے ہنگامہ کی آواز آئی، اس نے جاکر دیکھا تو مجتبیٰ اپنے کمرے میں پڑا دم توڑ رہا تھا، اسکی پیٹھ میں ایک بڑا سا چاقو اترا ہوا تھا، اسکے قریب مارگیرٹ بیہوش پڑی تھی سامنے مرتضےٰ مبہوت کھڑا تھا۔ اسکے ہاتھ اور اسکے کپڑے خون سے رنگین تھے جیکسن نے پولیس بلالیا، چاقو مرتضےٰ ہی کا تھا اور جب اسپر قتل عمد کا مقدمہ چلایا گیا تو اپنی صفائی میں وہ سوائے انکار کے اور کچھ نہ کہہ سکا۔ مارگیرٹ نے

مرتضیٰ کے خلاف شہادت دیتے ہوئے کہا کہ دونوں بھائی ایک عشق میں لڑ بیٹھے اور مرتضیٰ نے رقابت میں اپنے بھائی مجتبیٰ کو مار ڈالا" عدالت سے مرتضیٰ کو پھانسی کی سزا کا حکم صادر ہوا، اسی سال ملک معظم ہندوستان تشریف لیجا رہے تھے لندن کے ہندوستانی باشندوں نے رحم کی درخواست کی اور پھانسی کی سزا حبس دوام سے مبدل ہوگئی اسیوقت سے مرتضیٰ ڈارٹ مور کے جیلخانہ میں مقید تھا، اس کے اچھے اطوار اور اسکی علمی قابلیت نے تھوڑے ہی دنوں میں اسے قیدیوں کا سردار بنایا تھا، اور اب بہت جلد اسکے قید کی بقیہ میعاد معاف ہونیوالی تھی اور یہ بہت جلد رہا ہونیوالا تھا۔ ڈارٹ مور کے جیلخانہ کے گورنر جنرل رچرڈسن کو چند قیدیوں نے ملکر قتل کر ڈالا تھا، اور انھیں کی شناخت کیلئے مرتضیٰ مع چند قیدیوں کے لندن لایا گیا تھا، اور جب مقدمہ کی پیشی کے بعد یہ موٹر میں سوار ہو رہا تھا اسی وقت کئی بم پھٹے اور اس ہنگامہ میں مرتضیٰ فرار ہوگیا پولیس تفتیش کیلئے متعین ہے ممکن ہے کل تک گرفتار ہو جائے۔"

وائی کونٹ بانسلے نے یہ اخبار بھی بند کرکے رکھدیا اور کسی گہرے خیال میں غرق ہوگئے، تھوڑی دیر کے بعد موٹر ایک بڑے مکان کے سامنے رکا، وائی کونٹ اترے، ہال میں ایک بوڑھے سیاہ پوش خادم نے ان کا کوٹ اتارا اور ٹوپی اور چھڑی لیلی اور سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے اوپر کی منزل پر چلے گئے، خادم ان کی خوابگاہ کے سامنے کھڑا تھا، کمرے میں جاکر انھوں نے کپڑے اتارے غسل کیا، اور ڈنر سوٹ پہنکر سگار پیتے ہوئے کتب خانے میں چلے آئے، ابھی یہ کمرہ کے وسط میں پہونچے بھی نہ تھے کہ دروازہ کھلا اور ایک نوعمر لڑکی "نانا ابا۔ نانا ابا" کہتی ہوئی انکی طرف بڑھی، تقریباً اسکی عمر اٹھارہ انیس سال کی تھی: میانہ قد، چھریرا بدن، اسکے چہرے کی سفیدی پر ہلکے بادامی رنگ کا اشتباہ ہوتا تھا، گالوں پر سیب کی سی ہلکی گلابی جھلک تھی، مصنوعی رنگ سے رنگے ہوئے بھرے بھرے لب یاقوت کی طرح چمک رہے تھے، اور کمان کی طرح سیاہ بھویں اوپر کو کچھ اسطرح تنی ہوئی تھیں جیسے تحیر اور رنج کا پتہ چلتا تھا، ان سے غصہ بھی نمایاں تھا اور کسی امر پر آزردگی بھی، سر کے سیاہ بال پیچھے کی طرف مردوں کی طرح کٹے ہوئے تھے، اور سامنے کے بال پیچھے کی طرف لہریا بناتے ہوئے پڑے تھے، کانوں میں ہیرے کے آویزے لٹک رہے تھے، یہ لڑکی نہایت ہی حسین سفید رنگ کے ریشمی کپڑے کا گون پہنے تھی جسکا گھیر گھٹنوں کے اوپر ہی ختم ہوگیا تھا اور اوپر کا حصہ جسم سے بالکل چپاں تھا، پشت بالکل عریاں تھی، شانے کھلے ہوئے تھے، اور یہ گون صرف ہیرے کی ایک ہیکل کی مدد سے گلے سے آویزاں تھی۔ لڑکی کے بائیں بازو پر پلیٹنم کا ایک کڑا تھا۔ جسمیں بڑے بڑے ہیرے جڑے ہوئے تھے، جرابیں ایسی باریک تھیں کہ ٹانگوں کی نیلی رگیں اندر سے نظر آتی تھیں ان کا رنگ جسم کے رنگ سے اسقدر ملتا تھا کہ معلوم ہوتا تھا ٹانگیں بالکل ننگی ہیں، پیروں میں سفید نقرئی کمخواب کے نازک جوتے تھے، لڑکی نے قریب آکر وائی کونٹ کے کاندھوں پر ہاتھ رکھکر منہ چوما اور بولی "نانا ابا۔ لیڈی ایجرٹن کے یہاں رقص میں چلیے گا نا، میں ٹونی کے ساتھ رٹز میں کھانا کھانے جا رہی ہوں اور وہیں سے رقص میں جاؤں گی، لیڈی ایجرٹن کی بڑی لڑکی سلویا نے آج کی رات مجھے اپنے ساتھ سلانے کا وعدہ کیا ہے، آپ بھی آئیے گا نا؟"

لڑکی کے اس اظہار محبت کو دیکھکر بھی وائی کونٹ کے چہرے سے خوشی نمایاں نہ تھی، آنکھوں میں آنسو آگئے اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے لڑکی کو گلے لگالیا اور دیر تک اپنے سینہ سے لگائے رہے، لڑکی انکی اس حرکت سے گھبرا سی گئی اور خوفزدہ ہوکر پوچھنے لگی "کیوں نانا ابا کیسا مزاج ہے؟" کونٹ نے بہت ضبط کرکے جواب دیا:- "نہیں کچھ نہیں، یونہی کچھ یاد آگیا اور دل بھر آیا، گھبراؤ نہیں"

لڑکی ان کا ہاتھ پکڑ کر ایک آرام کرسی کے پاس لیگئی اور انھیں بٹھلا کر خود کرسی کے بازو پر بیٹھ گئی اور ان کی گردن میں باہیں ڈالکر کہنے لگی "نانا ابا آپ ان دنوں سخت محنت کرتے ہیں مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کی صحت نہ خراب ہو جائے، دن رات سوائے کام کرنے کوئی اور شغل ہی نہیں، میں بتاؤں سنیے چند دنوں کیلئے مڈیرا چلے چلیے، میرا بھی لندن کی بارش کہر اور سردی سے دم گھبرا گیا ہے۔ وہاں سردی بہت ہی کم ہوگی، دھوپ بھی خوب ہو گی آپ کی بھی صحت

درست ہو جائے گی اور میرا ابھی جی بہلے گا، میں اپنے ساتھ......" لڑکی نے محبت بھری نظروں سے کونٹ کو دیکھکر اپنا گال ان کے گال سے ملا دیا۔ اور ایک ہاتھ سے اُن کے شانوں پر ہلکی ہلکی تھپکیاں دینے لگی، ــــ "نہیں بیٹی مارگیرٹ مجھے ایک منٹ کی فرصت نہیں، پارلیمنٹ کا اجلاس ہو رہا ہے بہت سے معاملے زیر تجویز ہیں، بھلا میں کیسے جا سکتا ہوں" لڑکی نے اس انکار پر منھ پھلا کر کہا "تو آپ کو کیا میری خوشی سے زیادہ پارلیمنٹ کا خیال ہے" کچھ دیر چپ رہنے کے بعد جھجکتے ہوئے اور فوراً شرما کر "نانا ابا میں ایک راز کی بات بتا دوں؟ میں نے آج ٹونی کی درخواست منظور کر لی اور مجبوراً کیونکہ ایک مدت سے لوگ ناک میں دم کئے ہوئے تھے، جہاں گئی بھڑوں کی طرح چمٹ گئے، آخر کار کل کی رات میں نے عاجز آکر فیصلہ کر لیا اور موٹر میں جب ٹونی نے ہزاروں منتیں کیں تو میں نے ہاں کہدیا، غریب ٹونی ہے تو بیوقوف، مگر پکے ارادے کا آدمی ہے" "نانا ابا چلئے آپ اور میں اور ٹونی جنوبی فرانس چلے چلیں، چلئے گا نا؟"

وائی کونٹ ابھی جواب دینا ہی چاہتے تھے کہ بوڑھے خانساماں نے دروازہ کھول کر ادب سے عرض کیا "لیڈی صاحبہ مسٹر ہالیڈے تشریف لائے ہیں" "انھیں یہیں بلا لو" کہکر لیڈی مارگیرٹ کرسی سے اُٹھی اور آتش دان کے اوپر لگے ہوئے آئینہ کے سامنے کھڑی ہو کر سر کے بال درست کرنے لگی، مسٹر انٹونی ہالیڈے نے کمرے میں داخل ہو کر "ہلو میگی" کہتے ہوئے لیڈی مارگیرٹ کی طرف مصافحہ کو ہاتھ بڑھایا، لیکن وہ ہنس کر بولی، "بیوقوف لڑکے یہ ہاتھ ملانا کیا، میرے بوسے کیوں نہیں لیتا، میں نے نانا ابا کو اپنا فیصلہ سنا دیا ہے" یہ کہکر لیڈی مارگیرٹ نے خود مسٹر ہالیڈے کے کئی بوسے لئے۔

ہالیڈے نے لیڈی مارگیرٹ سے جدا ہو کر وائی کونٹ سے ہاتھ ملا کر کہا:- "میں اپنی قسمت پر نازاں ہوں کہ میگی نے میری درخواست قبول کر لی اور میں جناب کا ممنون ہوں کہ آپ نے بھی اسے منظور کر لیا اگر آپ کی اجازت ہو تو میں بہت جلد شادی کر کے مارگیرٹ کو برازیل لیتا جاؤں، ابا جان علیل ہیں اور طلبی کے تار پر تار آ رہے ہیں۔"

وائی کونٹ نے ہالیڈے کی پیٹھ پر ہاتھ رکھکر کہا، میاں اگر مارگیرٹ نے تمھیں قبول کر لیا تو پھر میری منظوری کی کیا ضرورت، جب وہ کہیں شادی کر لو، میری دعا ہمیشہ تمھارے شامل حال رہے گی۔ خدا تم دونوں کو خوش رکھے، تم جانتے ہو کہ یہ میری آنکھوں کی پتلی ہے، میں اسے دیکھکر زندہ ہوں۔

لیڈی مارگیرٹ نے نانا کے بوسے لئے۔ ہالیڈے نے گڈ نائٹ سر، کہکر اُن سے مصافحہ کیا اور دونوں باہر چلے گئے۔ دونوں کے جانے کے کچھ دیر بعد وائی کونٹ نے سگار جلایا۔ اور دل میں یہ کہکر "خیر اس بچی کی طرف سے تو اطمینان ہو گیا" کسی گہرے خیال میں ڈوب گئے۔ دیر تک سگار پیتے رہنے کے بعد انھوں نے دیوار سے لگا ہوا ایک بٹن دبایا اور فوراً ہی بوڑھا بٹلر دروازہ کھولکر مودب سامنے آکر کھڑا ہو گیا "مارٹن آج مجھے بھوک نہیں ہے کھانا نہ کھاؤں گا، صرف دو ایک بسکٹ اور چند سینڈوچ شراب کی بوتل کے ساتھ رکھدو کسی وقت بھوک لگے گی تو کھا لوں گا، آج مجھے دیر تک کام کرنا ہے، اور ہاں مارٹن تم نے تھیٹر کا وہ نیا تماشہ تو نہیں دیکھا ہے؟" "نہیں مائی لارڈ" "اچھا تو تم اور مسز مارٹن آج میری طرف سے اسے دیکھ آؤ بہت پسند کرو گے اور ولیم کو بھی لے لو، کہدو میں سوتے وقت کپڑے خود پہن لوں گا، جگہ کے لئے ٹیلیفون کر دو اور موٹر میں چلے جاؤ

شوفر غریب بھی تماشہ دیکھے گا"

بوڑھا مارٹن "حضور کا بیحد شکریہ" کہکر باہر چلا گیا، اور چند لمحوں کے بعد ایک نقرئی کشتی میں چند بسکٹ اور سینڈوچ لے آیا ایک چھوٹی میز پر ایک چھوٹی کشتی میں شراب کے دو تین کنٹر سوڈا کی ایک سائی فن اور دو تین گلاس رکھے ہوئے تھے۔ مارٹن نے یہ کل چیزیں سجا کر رکھدیں۔ آتش دان سے راکھ جھاڑی، کوئلے کے کیمچ ٹکڑے آگ میں ڈالے، کھڑکی کے قریب جاکر پردے برابر کردیئے، سگار کے ڈبے کو کھول کر دیکھ لیا کہ بھرا ہے۔ پھر ادب سے "گڈ نائٹ مائی لارڈ" کہتا ہوا آہستہ سے دروازہ بند کرکے چلا گیا۔ مارٹن کے جانے کے بعد وائی کونٹ ایک گھنٹہ تک کسی گہرے خیال میں غرق رہے، ان کے چہرے سے غم اور کبھی غصے کے آثار نمایاں تھے، آنکھیں کسی فوری جوش سے چمکنے لگتی تھیں اور کبھی ان سے ناامیدی ظاہر ہوتی تھی، دیر کے بعد انھوں نے ایک آہ بھری اور کھڑے ہوگئے۔ دروازہ کے پاس آکر انھوں نے قفل میں کنجی لگائی اور پھر کمرے میں ٹہلنے لگے۔

"آج مجھے کیا کیا خطاب ملے ہیں، چور۔ ڈاکو۔ فریبی۔ جعل ساز۔ ظالم اور یہ خطاب مجھے دیئے کس نے؟ ایک جاہل ان پڑھ گنوار چمارنے۔ مگر میں نے بادشاہ اور سلطنت سے کیا کیا خطاب پائے ہیں۔ رائٹ آنریبل۔ ہنری میکسی، وائی کونٹ سلطنت برطانیہ کا وزیر جنگ۔ کروڑ کا مالک" کچھ دیر چپ رہنے کے بعد "نہیں نہیں وہ پہلے خطاب صحیح ہیں۔ سچ ہے میں چور ڈاکو، فریبی، جعل ساز ہوں، لیکن ہاں میں ظالم نہیں ہوں، اور وہ بنڈائی واقعہ، اوہ، مدت ہوئی اسکا فیصلہ ہوچکا۔ رہا جولیا کا قصہ..........."

وائی کونٹ دیر تک خاموش ٹہلتے رہے۔ اور پھر خود ہی آہستہ آہستہ گویا اپنے ہی کو خطاب کرکے کہنے لگے۔

"وہ جولیا کیا تھی، اسٹیج کی ایک آوارہ چھوکری۔ کچھ ایسی حسین بھی نہ تھی، اب اتنے دنوں کے بعد مجھے یاد بھی نہیں کہ اس کی کونسی بات پسند آگئی تھی" وہ کچھ دیر سوچ کر اور پھر مسکراتے ہوئے، "ہاں ہاں۔ یاد آگیا، ایک دن وہ کورس میں ناچ رہی تھی، اور اس کا فراک سامنے سے بہت نیچا کٹا ہوا تھا، اتفاق سے ناچنے میں برہنہ ہوگئی۔ اور اسٹیج سے عجیب بدحواسی سے بھاگی۔ بس اسکا بھاگنا مجھے بھلا معلوم ہوا، تماشہ ختم ہونے کے بعد میں نے اس کے پاس اپنا کارڈ بھیجا، ملاقات کی دعوت دی، ربط بڑھا۔ اور پھر میری ہوگئی میں نے اسے ایک مکان کرایہ پر لے کر دیا تھا، آرام سے رہتی تھی، کمسن تھی شوخ اور چالاک تھی، دن بھر کی محنت اور جانفشانی کے بعد شب کے وقت اس کی صحبت میں چند گھنٹے مزے میں کٹ جاتے تھے۔ لیکن جب مجھے پہلے پہل خطاب ملا تو اسے بھی "لیڈی" بننے کی سوجھی، فرمایش کی کہ شادی کرلو میں آج اور کل پر ٹالتا ہی رہا، یہانتک کہ بیرن بنا دیا گیا۔ اب اسنے اور بھی ضد شروع کی، اور شرارتیں کرنے لگی۔ مجبوراً جب میں نے انکار کیا تو مجھے دھمکی دینی شروع کی، میرے کاغذات میں سے چند کاغذات اسے ایسے مل گئے تھے جو سوائے میرے کسی اور کی نظر سے گذرنے کے قابل نہ تھے۔ ایک رات جب اسنے سخت ہنگامہ کیا تو میں نے اسے مار پیٹ کر گھر سے نکالدیا اور اس دن کے بعد سے مجھے مدتوں اسکی کوئی خبر معلوم نہ ہوئی۔ اور ادھر تو میں اسے بالکل ہی بھول چکا تھا، صرف چند دن ہوئے کہ اس کا ایک خط آیا تھا، جس میں لجاجت کے ساتھ ملاقات کی درخواست کی تھی، مجھ سے جدا ہوکر تو اس نے میرے دیئے ہوئے مال پر زندگی گذاری، پھر ادھر ادھر یوں ہی سی ملازمت کرتی رہی۔ مگر بھلا اس سے کب بسر اوقات ہوسکتی تھی، عسرت سے مجبور ہوکر گڈ ہیلی

میں پھرنے لگی، اور اسطرح پیٹ پالنے لگی، مگر آخر نتیجہ وہی ہوا جو ہوا کرتا ہے، ایک مہلک اور ناپاک مرض میں مبتلا ہو گئی۔ جب میں ملنے گیا تو اسوقت اسکا مرض طول کھینچ چکا تھا، صحت سے ناامیدی تھی۔ مجھ سے گڑ گڑا کر پھر شادی کی درخواست کی۔ اس نے بہت آرزو منت کی، آنسو بہائے، ہاتھ جوڑے، مگر میں مجبور تھا انکار کرکے چلا آیا، اور شاید اسی دن اس نے "انٹونیو" کو بلا کر اپنی داستان سنائی اور وہ کاغذات دے دیئے ...." وائی کونٹ کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر دیر تک کچھ سوچتے رہے۔" جولیا! اگر تو نے سچ مچ ایسا کر دیا ہے تو بس میرا خاتمہ ہو گیا، میرے پاس اُن کا کچھ جواب نہیں ہے، یہ سارے الزامات سب کے سب سچ ہیں، گو میں تنہا اس قسم کی باتوں کا گنہگار نہیں ہوں، میرے ہی طرح کتنے اور لارڈ اور بیرونٹ ایسے ہیں جن کی کامیابی کا راز صرف ان کی سیاہ کاری ہے ...."

وائی کونٹ ایک لمبی سانس لیتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئے، اور دیر تک کچھ سوچتے رہے پھر اٹھکر اضطراب میں کمرے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہلنے لگے۔

"کل نو بجے وزیر اعظم نے جواب مانگا ہے، مگر میرے پاس جواب کیا ہے، میں اگر انکار بھی کر دوں تو کیا ہوتا ہے۔ اگر جولیا نے سچ مچ انٹونیو کو سب کچھ بتا دیا تو میں کہیں کا نہ رہا، کہیں بھاگ بھی نہیں سکتا، بھلا میں جواب کیا دے سکتا ہوں۔ .... جواب .... جواب تو بس ایک ہے۔ اور .... وہ .... اپنے .... ہاتھوں سے .... موت .... اف! موت کیسا خوفناک لفظ ہے۔ لیکن اگر موت نہیں تو پھر کیا۔ اس کے بدلے۔ اس کے عوض۔ بدنامی رسوائی۔ بے عزتی۔ اور قید۔ اور کیا عجب۔ کون کہہ سکتا ہے ممکن ہے کہ پھانسی ہو وہ جرمن آبدوز والا واقعہ .... اوہ .... کیوں یاد کروں؟"

وائی کونٹ پھر کرسی پر بیٹھ گئے، دیر کے بعد انھوں نے وسکی کی بوتل سے آدھا گلاس شراب کا انڈیلا اور بغیر سوڈا ملائے پی گئے۔ "آہ۔ اب کچھ سکون ہو چلا ہے میں خائف ہو گیا تھا۔ موت سے ڈرنا کیا؟ آخر مرنا لازمی ہے، اور دوسرے کے ہاتھوں سے مرنے کے بدلے بہتر ہے اگر اپنے ہی ہاتھوں سے مر جاؤں، خیر اگر اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی زندگی ختم کی تو اس کا اتنا افسوس نہیں جتنا مارگیریٹ کی تباہی اور بربادی کا غم ہے۔ مجھے ڈر ہے کہیں مٹی نہ خراب ہو جائے ...."

وائی کونٹ نے اب کی برانڈی کا آدھا گلاس انڈیلا اور پی گئے۔

"اچھا تو جواب لکھدوں اور پھر ...."

میز کے قریب بیٹھ کر خط لکھنے لگے، اور خط ختم کرکے اسے بلاٹنگ سے چھاپنے کے بعد آہستہ آہستہ پڑھنے لگے۔

"پیارے وزیر اعظم۔ آپ کے سوالات کا میرے پاس بس ایک ہی جواب ہے جو میں آپ کو اس خط کے ملنے کے پہلے دے چکا ہوں گا۔

"آپ کا مخلص بالسکیلے"

"کافی ہے بس بس اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں" خط لفافہ میں رکھ کر باشلے نے اس پر پتہ لکھا، پھر کی اور دوسرا خط نواسی کے نام لکھا:۔

"پیاری مارگیرٹ، مجھے کچھ ایسی ہی مجبوری آن پڑی تھی کہ میں نے خودکشی کر لینا بہتر سمجھا، مگر تمہارے لئے دل بے چین ہے، مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم میرے لئے اپنے کو ہلاک نہ کر ڈالو، خدا کیلئے ایسا نہ کرنا" "خدا حافظ"

دونوں خط اونہوں نے میز پر ایک کتاب سے لگا کر رکھ دیئے کہ کمرہ میں داخل ہونے والے کی نظر فوراً اونپر پڑے، اسکے بعد باشلے دیر تک بیٹھے سوچتے رہے اور پھر ٹہلنے لگے۔

"کیا ہو اگر بھاگ جاؤں، کہیں چھپ رہوں کسی ملک میں جا کر روپوش ہو جاؤں۔ ابھی بہت وقت ہے۔ کتنے بجے ہیں۔ گیارہ۔ مگر......... جاؤں تو......... کہاں جاؤں......... چھپوں تو کہاں چھپوں اور اگر چھپ بھی سکا تو ایسی زندگی کیا......... مرہی کیوں نہ جاؤں........."

دیر تک ساکت کھڑے رہنے کے بعد کانپتے ہوئے چلا اوٹھے:۔

"موت۔ موت۔ اور وہ بھی اپنے ہاتھوں سے۔ اُف۔ مجھ سے نہ ہوگا، مرنا کیسا؟ اور خودکشی کیوں؟ نہیں۔ ہرگز نہیں کیوں مروں اور کیوں جان دوں" کچھ دیر ٹہلنے کے بعد "میں کمزور ہو گیا ہوں۔ ذرا سی بات سے خایف ہو جاتا ہوں"

یہ کہہ کر وہ میز کی طرف بڑھے اور دونوں خط ہاتھ میں لے کر چاہتے تھے کہ چاک کر دیں کہ پھر رکے، سانس چڑھی ہوئی تھی، اونگلیاں کانپ رہی تھیں اور پیشانی پر پسینہ کے قطرے تھے، ایک بھیانک آواز میں:۔

"کیا بھاگ کر سچ مچ کسی طرح بچ سکوں گا، دنیا کا کون گوشہ ہے جہاں میں چھپ کر بچ سکونگا، اور اگر یہیں رہا تو میرے پاس اون کاغذات کا کیا جواب ہے......... پھر جب بچنا محال ہے تو یہ فضول کا جھگڑا ہے.. ...."

دائی کونٹ نے پھر شراب پی اور میز کی دراز سے تپنچہ نکالکر دیکھ لیا کہ اس میں کارتوس بھرے تھے، تپنچہ ہاتھ میں لے کر دیر تک ٹہلتے رہے، چہرے کا رنگ منٹ منٹ پر بدل رہا تھا یکایک اون کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے، بدن کانپنے لگا، اور بائیں ہاتھ سے کرسی پکڑ کر کھڑے ہوگئے۔

"افسوس۔ اگر یہ معلوم ہوتا کہ مجھے ایک دن اسطرح سے مرنا ہے تو اتنی مصیبت اٹھا کر اس قدر دولت کیوں جمع کرتا۔ پہلی زندگی کیا بری تھی"

یہ کہہ کر اونہوں نے اپنے دل پر زور دے کر جسم کی تھرتھری کو روکا، کانپتے ہوئے ہاتھ سے تپنچہ سر تک لائے، گھبرا کر چاروں طرف دیکھا۔ پھر آنکھیں بند کر کے سانس روک لی۔ اور اب چاہتے ہی تھے کہ بلبلی دبا دیں کہ کسی آواز سے گھبرا کر پلٹے تو دیکھا کہ میز کے سامنے کرسی پر ایک بوڑھا شخص بیٹھا انہیں غور سے دیکھ رہا ہے۔ وزیر اعظم اور مارگریٹ کے نام کے خطوط اس کے ہاتھ

میں تھے۔ گھبراہٹ میں وائی کونٹ کے ہاتھ سے تپنچہ گر گیا، اور وہ آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھنے لگے۔ چند قدم اس کی طرف بڑھکر کے اور پھر پیچھے ہٹے۔ "تم کون" ان کی آواز بہت ضعیف تھی۔ "تم کون ہو؟" ذرا بلند آواز سے۔ "ارے تم کون ہو۔ بولتے کیوں نہیں۔ جواب دو۔"

"میں کون ہوں۔ جیکسن کیا اتنے دنوں میں میری صورت اتنی بدل گئی ہے۔ کہ تم مجھے پہچان بھی نہیں سکتے۔" اجنبی کی آواز سے ایک خوفناک اطمینان ظاہر ہو رہا تھا۔ بانسلے کے پاؤں کانپنے لگے، کلیجہ بیٹھنے لگا۔

"کون! مرتضیٰ۔ مرتضیٰ۔ نہیں ہو نہیں سکتا۔ ممکن ہی نہیں۔ یہ میرے دماغ کی کمزوری کا اثر ہے، یہ میرا صرف واہمہ ہے۔" کچھ آگے بڑھ کر اور پھر ڈرتے ہوئے۔ "کیا تم مرتضیٰ ہو۔"

"جیکسن۔ کیا سوجھتا نہیں کہ میں مرتضیٰ ہوں۔"

"مگر تم تو جیل میں تھے......"

"ہاں تھا تو جیل میں، لیکن آج شام کے وقت میں ہائیکورٹ کے پھاٹک سے بھاگ نکلا اور دیر سے یہاں چھپا ہوا ہوں مگر جیکسن مجھے خوشی اسکی ہے کہ تم اتنے بڑے لارڈ ہونے کے بعد بھی اس سے انکار نہیں کرتے کہ تم اصل میں جیکسن ہو۔"

لارڈ بانسلے قریب کی کرسی پر بیٹھ گئے۔ اور اپنی پیشانی کا پسینہ پونچھ کر بولے:۔

"انکار سے فائدہ، صرف وقت کی بربادی۔ تمہارا یہاں تک آجانا۔ اس امر کو ثابت کر رہا ہے کہ تم میرے اگلے حالات اور میرے راز سے اچھی طرح واقف ہو۔ مگر مرتضیٰ۔ تمہیں یہاں تک آتے میں کچھ ہراس نہ ہوا، کیا ہو اگر میں تمہیں مار ڈالوں۔ یا گرفتار کرا کے قید کرا دوں؟"

مرتضیٰ نے ہنس کر کہا:۔

"اجی۔ میں نے سب کچھ سوچ لیا ہے۔ اگر تم نے مجھے مار ڈالا تو بھی اور گرفتار کرا دیا تو بھی، دونوں صورتوں میں ہمارے تمہارے اگلے تعلقات کا دنیا کو پتہ چل جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ تم نہ مجھ پہ ہاتھ اٹھاؤ گے، اور نہ میرے خلاف اپنی زبان ہلاؤ گے۔"

بانسلے نے کچھ دیر چپ رہ کر کہا۔ "ہاں ایک حد تک یہ صحیح ہے مگر یہ بتاؤ کہ تم میرے راز سے کس طرح واقف ہو گئے۔ تم تو آج اٹھارہ انیس سال سے قید میں تھے۔ تمہیں میری حالتیں اور میرا پتہ کیونکر معلوم ہو گیا؟"

"تمہیں یاد نہیں۔ جب تم منسبری امپائر کے تھیٹر میں دربان تھے تو تھیٹر کے سامنے انتھم، ایک پست قد آدمی پارروٹی کی دوکان رکھا کرتا تھا۔"

بانسلے کی گھبراہٹ کچھ اور بڑھ گئی، مرتضیٰ نے سگار کے ڈبے سے ایک سگار چن کر اٹھا لیا اور جلا کر پینے لگا۔

"جیکسن مجھے قید میں بھجوا کر تم بھی کہیں غائب ہو گئے، اور ایک مدت کے بعد جب لندن میں پھر نمودار ہوئے تو فوراً ہی

رئیس بن گئے۔ اسمتھ اب ٹیکسی چلاتا تھا۔ اوس نے تمہیں ایک دن پہچان لیا۔ تمہارا پیچھا کرکے تمہارا گھر اوس نے ڈھونڈ نکالا۔ اور پھر تم تو خود جانتے ہو کہ تمہیں دھمکی دے دے کر اوس نے کئی بار تم سے کثیر رقمیں حاصل کیں۔ مگر جب تم اس سے بہت عاجز ہوگئے تو تم نے اسے گرفتار کراکے قید کرادیا۔"

مرتضیٰ دیر تک سگار کے دھوئیں نکال کر آہستہ آہستہ باہر پھینکتا رہا۔

"میری اوس کی ملاقات صرف اتفاق سے ہوگئی۔ جب وہ ڈارٹ مور بھیجا گیا تو میں اُن دنوں قیدیوں کا میٹ تھا۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کو فوراً پہچان لیا۔ وہ میری کوشش سے میرا اسسٹنٹ بنادیا گیا، اس طرح ہم دونوں کو گفتگو کا خوب موقع ملا، اور ہم نے خفیہ خط وکتابت کے طریقے ایجاد کئے۔ جب وہ رہا ہوا تو مجھے ہر ہفتہ اسی خفیہ طریقے سے کل باتوں کی خبر دیتا رہا۔"

بانسلے کی پریشانی بڑھتی جارہی تھی۔

"مگر تم ہائیکورٹ سے کیسے بھاگ سکے؟"

"صرف اسمتھ کی مدد سے۔ میں نے اسے خبر دے دی تھی کہ میں آج گواہی کے لئے ہائیکورٹ لایا جاؤں گا۔ مقدمہ کے بعد جب قیدی اور گواہ باہر لائے جارہے تھے، اسمتھ نے کمرے کے اندھیرے میں چند بم پھینکے اور قریب ہی اپنی ٹیکسی لئے کھڑا رہا۔ جب بم کے پھٹنے سے ہنگامہ ہوا تو مجھے اپنی ٹیکسی پر بٹھا کر بھاگا۔ ہم لوگ اپنی جانوں پر کھیل کر کسی نہ کسی طرح یہاں آگئے۔ موٹر ہم نے سامنے گڑھے میں چھپادی اور چونکہ اسمتھ اس کمرہ میں کئی بار آچکا تھا اس لئے اوس نے مجھے اسی کمرہ میں چھپ رہنے کی رائے دی۔ کھڑکیاں بند تھیں مگر اٹھارہ برس قید میں رہ کر میں نے بہت سے نئے ہنر سیکھے ہیں۔ ایک یہ کھڑکی کھولکر اندر چلا آنا مشکل نہ تھا، اور میں یہاں چھپا رہا اور اسمتھ بھی کہیں قریب ہی ہے اور اگر مجھے زیادہ دیر ہوئی تو ممکن ہے کہ وہ بھی آجائے تم نے نوکروں کو چھٹی دے کر گھر کے باہر بھیجدیا ہے، اب اندر ہم دونوں ہیں اور باہر اسمتھ۔"

اپنی بیکسی اور مجبوری اور مرتضےٰ کی اس دلیری کو سوچ کر لارڈ بانسلے کا دل بیٹھا جاتا تھا، کسی طرح مفر کی صورت نظر نہ آتی تھی، اس طرح جان پر کھیل کر مرتضےٰ کے آنے کا صرف ایک مقصد ہوسکتا تھا۔ پھر بھی اونہوں نے ہمت کرکے رکتے ہوئے پوچھا:۔

"مگر مرتضےٰ اس قدر خطرے اوٹھا کر مجھ تک آنے کی وجہ؟"

"وجہ۔ وجہ پوچھتے ہو۔ جیکسن تم، اور مجھ سے وجہ پوچھتے ہو۔ صرف تمہاری وجہ سے میں اٹھارہ سال سے قید میں مر رہا ہوں، اور پھر تم مجھ سے یہاں تک آنے کی وجہ پوچھتے ہو۔"

مرتضیٰ کا وہ پہلا اطمینان غائب ہورہا تھا، غصہ کے آثار نمایاں ہورہے تھے۔

"جیکسن تمہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ میں نے بھتیجے بھائی کو نہیں قتل کیا تھا۔ مگر پھر بھی تم نے میرے خلاف گواہی

دے کر مجھے قید کرادیا، میں اپنے کمرہ میں بیٹھا پڑھ رہا تھا کہ کسی کے چیخنے کی آواز آئی۔ میں دوڑ کر بھائی کے کمرہ میں گیا۔ دیکھا تو خون میں ڈوبے ہوئے پڑے دم توڑ رہے ہیں۔ اور مارگریٹ قریب ہی کھڑی بید کے مانند کانپ رہی تھی۔ ابھی میرے حواس ٹھکانے بھی نہیں ہوئے تھے کہ تم پولیس کے ساتھ آگئے اور مجھے گرفتار کر لیا گیا، مگر جیکسن تم اچھی طرح جانتے تھے کہ میں بھائی کا قاتل نہ تھا۔"

جیکسن دیر تک ساکت رہا۔ پھر رک رک کر بولا:۔

"اگر تم بے قصور تھے تو پھر عدالت کے سامنے قاتل کا نام کیوں نہ بتادیا۔ میرا ہی نام بتادیا ہوتا یا مارگریٹ ہی کا، اُسے تو تم نے آخر اوسی کمرے میں پایا تھا۔"

مرتضیٰ جوش غضب میں کانپ اوٹھا اور چلا کر کہنے لگا:۔

"جیکسن آخر میں کس کا نام بتاتا، تمہیں میں نے بھائی کے کمرے میں پایا نہ تھا، رہ گئی مارگریٹ، تو کیا اوسی کا نام بتادیتا۔ مارگریٹ کا۔ اپنی پیاری بیوی مارگریٹ کا۔ جس سے میں پاڈنگٹن رجسٹری آفس اور دوکنگ کی مسجد میں دو مہینے پہلے شادی کر چکا تھا، میں نے سمجھا تھا کہ ممکن ہے بھائی نے اس کے ساتھ تنہائی کا ناجائز فائدہ اوٹھانا چاہا ہو۔ اور مارگریٹ نے اپنی عصمت بچانے کو چھرا مار دیا ہو، اور پھر جب عدالت کے سامنے میرے خلاف گواہی دی تو اسکے اضطراب سے میں نے سمجھا کہ ضرور وہی قاتلہ تھی اور صرف اپنی جان بچانے کے لئے مجھے ماخوذ کرا رہی تھی، میں نے سوچا کہ اگر تم قاتل ہوتے تو مارگریٹ اپنے باپ کے بچانے کو اپنے شوہر کو پھانسی نہ دلواتی۔ مشرقی بیوی تو اپنی جان کی پرواہ نہ کرتی، مگر میں اپنی اس مغربی بیوی سے اس قدر محبت کرتا تھا کہ مجھے اس کی طرف سے کم از کم اتنی امید ضرور تھی کہ باپ اور شوہر میں یہ ضرور شوہر کا ساتھ دے گی۔ بس اسی یقین نے میرے لبوں پر مہر کر دی۔ ورنہ میں چھٹکارہ پا گیا۔ ہاں ایک وجہ اور تھی، میں جانتا تھا کہ مارگریٹ کے بچہ ہونے والا تھا۔ جیکسن کیا تم اس کی توقع رکھتے تھے کہ میں صرف ایک اپنی جان بچانے کے لئے مارگریٹ اور اس کے بطن سے پیدا ہونے والی اپنی اولاد کا خون کراتا۔ ہرگز نہیں، بس یہی دو سبب تھے کہ لب تک نہ ہلایا۔ اور سر جھکائے قید میں چلا گیا۔"

جیکسن دیر تک مبہوت بیٹھا رہا پھر اپنے کو سنبھال کر بولا:۔

"مرتضیٰ۔ میں کئی سال ہندوستان میں رہ چکا ہوں۔ مگر مجھے اس وقت تک یہ نہ معلوم تھا کہ ہندوستانی محبت اور وفاداری میں اس طرح جان دیتے ہیں۔ مگر یہ بتاؤ کہ یہاں کس غرض سے آئے ہو۔ اگر روپیہ کی ضرورت ہے، تو میں اس وقت کسی بڑی رقم سے تمہاری مدد تو نہیں کر سکتا۔ شب کے وقت بنک کھلے نہیں رہتے، اور چیک تمہارے کسی کام کا نہ ہوگا۔ پھر بھی گھر میں اتنی رقم ضرور مل جائے گی کہ تمہاری فوری ضرورتوں کے لئے کافی ہو، اس سے زیادہ کی ضرورت ہو تو بعد کو دے سکتا ہوں، سچ ہے تم نے سخت مصیبت اوٹھائی اور مجھے اس افسوس کا ہے" یہ کہکر جیکسن نے

... اپنی جیب سے نوٹ بک نکالنی چاہی، مگر مرتضیٰ نے ہاتھ کے اشارے سے روکا

"کیا؟ روپیہ کی ضرورت نہیں ہے؟ خیر رہنے دو۔ لیکن اگر رہائی چاہتے ہو تو ابھی وزیر داخلہ کو ٹیلیفون کرکے تمہیں رہا کرا دوں، وہ میری سفارش کو فوراً مان لیں گے۔ یا اگر ہندوستان یا کسی اور ملک کو جانا چاہو تو بھجوا دوں۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ تمہیں بلاقصور اتنے مصائب کا سامنا کرنا پڑا، اور میں سچے دل سے اپنی ندامت کا اظہار کرتا ہوں"

مرتضیٰ نے زور سے قہقہہ لگا کر کہا:۔

تف ہے آپ کے افسوس پر اور نفریں ہے آپ کے اظہار ندامت پر۔ جیکسن تم مجھ جیسے فقیر کو دولت کا لالچ دیتے ہو۔ عمر بھر کے قیدی کو آزادی کی تصویر دکھا کر رجھاتے ہو، تمہیں معلوم ہے کہ میرے ابا جان، پروفیسر مصطفےٰ ایک مدت تک ہیرا بنانے کی کوشش میں تھے، ان کا خیال تھا کہ جب ہیرا اور کوئلہ دونوں کاربن ہیں تو پھر کوئلہ ہیرے کی صورت میں کیوں تبدیل نہیں ہو سکتا۔ ساری عمر کے تجربے اور اپنی ساری دولت صرف کرنے کے بعد وہ صرف یہاں تک دریافت کر سکے کہ اگر مصری کے ذرے کثیر دباؤ کے اندر بہت سخت گرم کرکے پگھلائے جائیں اور پھر ایک خاص مرکب روغن میں دفعتاً ڈال دیئے جائیں تو وہ ہیرے کے نہایت ہی باریک ذرے بن جائیں گے۔ ابا جان صرف یہاں تک دریافت کر چکے تھے کہ مر گئے۔ اور اب یہاں سے بھائی مجتبےٰ نے دریافت شروع کی۔ کہ یہی مہین ذرے کس طرح ملا کر بڑا ہیرا بنائے جا سکتے ہیں، سخت محنت و جانفشانی کے بعد وہ کامیاب ہوئے ہی تھے کہ قتل ہو گئے۔ وہ مجھے اپنے تجربوں کی حالت روز بروز بتاتے جاتے تھے، اور میں محبت کا اندھا کل باتیں مارگریٹ کو بتا دیا کرتا تھا۔ مجھے بعد کو معلوم ہوا کہ تم بھائی کے مرنے کے بعد افریقہ جا کر مصنوعی ہیرے بنانے لگے۔ ایک کان خریدی اور اصل ہیروں کے ساتھ ان ہیروں کو ملا کر بیچنے لگے اور مالدار ہو کر اب تو دائی کونٹ بن گئے ہو"

مرتضیٰ کا سگار بجھ گیا تھا، انہوں نے اسے پھر جلایا اور سلسلۂ کلام جاری رکھا:۔

"جیکسن۔ میں تمہارے پاس روپیہ کی غرض سے نہیں آیا ہوں، کیونکہ اب مجھے اس کی ضرورت ہی نہیں۔ ہیرا بنانے کا نسخہ مجھے اب بھی یاد ہے، چاہوں تو کروڑ پتی بن جاؤں، مگر اب دولت کی تمنا ہی نہیں، میں رہائی کے لئے نہیں آیا ہوں، کیونکہ قید میں بڑے آرام سے کٹ رہی ہے۔ میرے ماں باپ مدت ہوئے مر چکے ہیں خاندان میں اب کوئی بھی باقی نہیں۔ آزاد ہوں تو کس کے لئے، ہاں۔ یہاں تک آنے کی تین وجہیں تھیں، ایک تو اپنی بیٹی مارگریٹ کو دیکھنے کی تمنا۔ اسمتھ نے مجھے قیدخانہ میں بتایا تھا کہ وہ اب جوان ہو گئی ہے۔ میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے اس کی ماں کی طرح اس کا بھی نام مارگریٹ ہی رکھا، وہ آرزو اس وقت پوری ہو گئی۔ جیکسن جب میں اس کمرہ کے مخفی پردہ کے پیچھے چھپا ہوا اس مارگریٹ کو دیکھ رہا تھا تو مجھے اپنی مردہ مارگریٹ زندہ نظر آ رہی تھی۔ بارہا جی چاہا کہ اپنے خون سے بنی ہوئی اور اپنی پیاری بیوی کی زندہ تصویر کو گلے لگا لوں، لیکن ضبط کرکے رہ گیا۔ خیر خدا اسے زندہ رکھے۔ مجھے غم نہیں کہ اسے

میرے وجود کا بھی علم نہیں۔"

مرتضیٰ کی آنکھیں پرنم ہوگئی تھیں، کچھ دیر سگار پینے کے بعد:-

"دوسری غرض یہ تھی کہ تم سے دریافت کروں کہ بھائی بھتیجے کو سچ سچ کس نے قتل کیا تھا، تم نے یا مارگریٹ میری بیوی نے، اور تیسری غرض یہ تھی کہ اگر تمہیں قاتل نکلے تو تمہارا اگلا گھونٹ دوں، اور ہاں ایک چوتھی غرض یہ تھی کہ بھائی کی قبر پر فاتحہ پڑھ لوں، ان کے دفن کے وقت میں تو قید میں تھا۔"

جیکسن آنکھیں پھاڑے متحیر خاموش بیٹھا رہا۔ اوس نے کچھ بولنے کی کوشش کی مگر بول نہ سکا۔ مرتضیٰ پھر اوس کی طرف مخاطب ہوئے۔

"جیکسن، پردے کے پیچھے چھپ کر میں نے تمہاری ساری باتیں سنیں تم خودکشی کرنے کو تھے وہ بھی میں نے دیکھا۔ اور مجھے یقین ہے کہ تم خود سے اپنی جان لے لوگے، اس لئے اگر تم ہی قاتل ہو تو میری تیسری آرزو بھی خود بخود پوری ہو جائے گی، اور میرے ہاتھ تمہارے خون سے رنگین نہ ہوں گے، تمہاری عمر کا پیالہ لبریز ہو چکا ہے، انٹونیو کے علاوہ اب مجھے بھی تمہارے راز سے آگاہی ہے، مگر برائے خدا مجھے اتنا بتا دو کہ کیا سچ مچ مارگریٹ ہی نے بھتیجے کی جان لی تھی؟"

جیکسن کرسی سے اوٹھ کر ٹہلنے لگا، اور دیر کے بعد بولا:-

"مرتضیٰ، تم سچ کہتے ہو، خودکشی کئے بغیر مجھے کوئی چارہ نہیں۔ اگر تمہارے کرسی پر بیٹھنے کی آواز سے میں چونک نہ پڑتا، تو میں نے پستول سر کو دیا ہوتا، اور اس وقت مردہ ہوتا، سچ ہے تمہیں اپنے ہاتھ نہ رنگین کرنے ہوں گے، گو بہتر ہوتا، اگر یہ کام تم ہی کر دیتے، ممکن ہے مجھ سے خود نہ ہو سکے، کیا عجب ہے کہ عین وقت پر میں ہمت ہار جاؤں اور پھر موقع ہاتھ سے نکل جائے۔"

مرتضیٰ نے دوسرا سگار جلا کر جواب دیا:-

"جب مجھے اس کا یقین ہے کہ تم اگر اس وقت نہیں تو بہت جلد وہ کام کر ہی لوگے جس کا ارادہ میں کر کے آیا ہوں، تو پھر میں کیوں گناہ کا مرتکب ہوں، جیکسن، میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر تم ہی میرے بھائی کے قاتل ہو تو میرے لئے تمہاری جان لینا جائز ہوگا۔ مگر مجھے اگر رنج ہے تو اس کا کہ میری بیوی مارگریٹ نے دانستہ مجھے پھانسی دلوانی چاہی۔ اور مجھے دکھ ہے تو اس کا کہ اسی نے میرے بھائی کی جان لی۔"

جیکسن کچھ دیر تک جواب نہ دے سکا، اور پھر رک رک کر کہنے لگا۔

"مرتضیٰ، میں تمہاری اس محبت کی قدر کرتا ہوں، چونکہ میں اب اپنی زندگی کی آخیر گھڑیاں گن رہا ہوں اس لئے چھپانے سے کیا حاصل۔ جب تم نے اپنے بھائی کی دریافت کی تکمیل کا راز مارگریٹ سے کہہ دیا، تو اوس نے اس کی مجھے خبر دے دی، دراصل وہ میرے ہی کہنے پر تم سے محبت کرنے لگی تھی، اور میری غرض صرف تمہارے راز کی دریافت تھی، ہاں مجھے اسکی خبر نہ تھی کہ مارگریٹ تمہیں دھوکہ دینے میں خود دھوکہ کھا گئی، یعنی اوس نے تم سے شادی کر لی، بہر حال میں نے بھتیجے سے

نسخہ مانگا، اوس نے انکار کیا، میں نے دھمکی دی، بات بڑھ گئی۔ ہم لوگ اولجھ گئے، اور لڑ پڑے، اور میں نے۔ ہاں مرتضیٰ۔ میں نے ہی تمہارے بھائی کو قتل کیا تھا، میں اس کا اقرار کرتا ہوں، تمہارے سامنے تمنچہ رکھا ہے، میں حاضر ہوں، اپنے بھائی کے خون کا جی چاہے تو بدلہ لے لو........“

جیکسن مرتضےٰ کے سامنے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کے نتھنے پھولے ہوئے تھے، آنکھیں چمک رہی تھیں اور سانس جلد جلد آ جا رہی تھی۔ مرتضیٰ دیر تک مجسمۂ حیرت بنے جیکسن کی طرف دیکھتے رہے۔ دل میں سو سو طرح کے جوش موج زن تھے، انگلیاں جیکسن کے گلے سے چمٹ جانے کو بے قرار ہو ہو کر کانپ رہی تھیں، سر میں چکر تھا اور آنکھوں کو رہ رہ کر کچھ سوجھائی نہ دیتا تھا۔ دیر تک اسی طرح ساکت رہنے کے بعد مرتضیٰ نے بہت ضبط کر کے نہایت متانت مگر ایک خوفناک اطمینان کیساتھ کہا:۔

”جیکسن، مجھے خوشی اس کی ہے کہ مارگریٹ جس پر میں جان و دل سے شیدا تھا، میرے بھائی کی قاتلہ نہ تھی، مجھے یقین ہے کہ میرے خلاف اوس نے گواہی دی وہ تمہارے دباؤ سے اور اگر سچ مچ ایسا ہی تھا تو میں نے خدا کے سامنے اوسے معاف کیا.......... رہ گیا بھائی کے خون کا بدلا.......... وہ تو تم خود ہی لے چکے ہیں کیوں اپنا ہاتھ رنگین کروں........“

یہ کہہ کر مرتضیٰ نے گھڑی کی طرف دیکھا اور اوٹھ کر دروازہ کی طرف بڑھے جیکسن نے ڈانٹ کر کہا:۔

”ٹھہر جاؤ۔ تم یہاں سے زندہ نہیں جا سکتے، مجھے تو مرنا ہی ہے، لیکن پہلے تم تو مر لو“

یہ کہہ کر جیکسن نے تمنچہ اوٹھا لیا اور چاہا کہ مرتضیٰ پر فیر کر دے۔ مگر کسی فوری خیال سے متاثر ہو کر اس نے اپنے سر سے تمنچہ ملا کر سر کر دیا اور گولی دماغ کے پار ہو گئی۔ مرتضیٰ آہستہ سے دروازہ کھول کر کمرہ سے باہر نکل گئے۔

....

....

صبح صادق کے وقت وو کنگ مسجد کے میناروں سے ”اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ“ کی صدا بلند ہو رہی تھی، اور ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ جب مولانا شمس الدین اذان کہہ چکے تو ایک شخص نے بڑھ کر ”السلام علیکم“ کہا۔ مولانا گھبرا گئے۔ سامنے ایک شخص سیاہ کوٹ پہنے کھڑا سر جھکائے چپکے چپکے رو رہا تھا۔

”مولانا گھبرائیے نہیں، آج ایک مدت کے بعد جو اذان کی آواز سنائی دی تو دل بھر آیا، شاید آپ مجھے بھول گئے ہیں، میں مرتضیٰ ہوں جو اونیس سال سے قید.........“ مرتضیٰ اس سے زیادہ نہ کہہ سکے۔ آواز بھرانے لگی، مولانا نے بغور سے دیکھا۔ ضعیفی کی وجہ سے بصارت میں کمزوری آ گئی تھی، مگر جب پہچان چکے تو مرتضیٰ کو گلے لگا کر خود بھی دیر تک روتے رہے۔

”معاف کرنا۔ پہچان نہ سکا تھا، اندھیرے میں اب کم دکھائی دیتا ہے۔ ہاں ہاں بیشک تم مرتضیٰ ہو، لیکن کیسے آئے، کیا رہائی ہو گئی؟“

مرتضیٰ نے اختصار کے ساتھ اپنے واقعات بیان کئے، کچھ دیر تک آنسو بہانے کے بعد دونوں نے نماز پڑھی، اور مولانا گھر سے روٹی مکھن جائے مسجد ہی میں لے آئے۔ جب مرتضیٰ نے سیر ہو کر کھا لیا، تو دونوں مسجد سے نکل کر سڑک پر آئے۔ اسمتھ موٹر سے قریب ہی ٹھیرا تھا، دونوں موٹر میں سوار ہو کر تھوڑی دیر میں بروک وڈ کے مقبرے میں پہونچے۔ مولانا مرتضیٰ کو ساتھ لئے قبروں کے درمیان ہوتے ہوئے اودھر آئے جدھر مسلمانوں کی قبریں تھیں۔ مرتضیٰ نے جب بھائی کی قبر کے سنگ مزار پر اس کا نام پڑھا تو ڈھاڑیں مار کر قبر سے چمٹ گئے۔ مولانا کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے اور فاتحہ پڑھتے جاتے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد مولانا نے مرتضیٰ کو بھائی کی قبر سے علحدہ کیا اور دونوں مقبرہ سے باہر نکل آئے، موٹر پر سوار ہو کر دونو جب دوکنگ کے تھانے کے پاس پہونچے تو موٹر رکا۔ مرتضیٰ نے مولانا سے گلے مل کر انکا شکریہ ادا کیا، اسمتھ سے مصافحہ کیا اور خدا حافظ کہتے ہوئے تھانہ پر جاکر دروازہ کی گھنٹی بجائی، ایک کانسٹبل نے دروازہ کھول کر استعجاب سے دیکھا۔

"میں مرتضیٰ قیدی نمبر ۲۹۸ ہوں۔ میں شب بھر بغیر اجازت غیر حاضر رہا ہوں، مجھے ڈارٹ مور کے جیل خانہ میں بھجوا دیجئے"

مرتضیٰ کمرے کے اندر چلے گئے اور کانسٹبل نے دروازہ بند کر لیا۔

سید علی اکبر کاظمی (بی، ایس سی)

تاریخ مغرب

مترجمہ مولوی محمد جمیل الرحمان صاحب ایم۔ اے، پروفیسر تاریخ اسلامی عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن۔ یہ کتاب ترجمہ ہے البیان المغرب فی اخبار المغرب، مصنفہ علامہ ابن العذاری المراکشی" کا۔ فاضل مترجم نے ترجمہ میں اصل کی تمام خوبیوں کو بہمہ وجوہ قائم رکھا ہے، بلکہ بعض حیثیات سے تو ترجمہ نے اصل پر فوقیت حاصل کر لی ہے۔ یہ مسلم ہے کہ شمالی افریقہ کے مسلمانوں کی اس سے زیادہ مستند و مکمل تاریخ اردو زبان میں اب تک نہیں شایع ہوئی۔ قیمت صرف عہ

خلافت موحدین ترجمہ مولوی محمد نعیم الرحمان صاحب ایم۔ اے، ایم، آر، اے، ایس پروفیسر عربی، اندلس (اسپین) اور مراکش کی نہایت مستند تاریخ اور ہر لحاظ سے تمام اردو لٹریچر میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے آخر میں چار انڈکس ہیں، ترجمہ سلیس باماورہ اور دلچسپ ہے۔ لکھائی چھپائی صاف عمدہ، کاغذ نفیس ضخامت ۰۰۰ صفحات قیمت صرف للعہ مجلد۔

"منیجر نگار لکھنؤ"

قرآن مجید کے لطایف ادبی

اور

شعرائے عرب و فارس کا استفادہ

دنیائے تحقیق مین کسی کتاب کا اعجاز و سحر ہونا صرف اس امر پر مبنی نہین ہو سکتا کہ اسکے متبعین اپنے مشاغل حیات کی بنیاد اسپر قایم کرتے یا یہ کہ بعض افراد فرط عقیدت مین اسے سر آنکھون سے لگا کر دل کو تسکین دے لیا کرتے ہین بلکہ جو چیزین پہلی نظر مین کسی محقق کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہین وہ اس کتاب کے محاسن افکار ہوا کرتے ہین

قدیم تفاسیر کا جو اندازبیان ہے، وہ اُس عہد کے ذوق، اور سیاسی فضا کے اعتبار سے یقیناً قابل ستایش ہے لیکن چونکہ اب تمدن کے ارتقاء کے ساتھ داعیات نفس و روح مین بہت تغیر ہو گیا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ مختلف زوایائے نگاہ کے ساتھ قرآن پر غور کیا جائے۔

چنانچہ اس مقالہ میں، یہ دیکھنا چاہتا ہون کہ اسنے انسان کے ذوق ادب کو کس حد تک متاثر کیا

قرآن مجید کا اعجاز ادب اور سحر انشا سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے عربی شاعری پر ایک نظر ڈال لی جائے اس لئے ابتداءً جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہون اُسے بحث سے خارج نہ سمجھا جائے کیونکہ اصل مسئلہ کو سمجھنے کے لئے ان مبادیات سے گزرنا ضرور ہے

ماخذ اور اسپر ایک سرسری تبصرہ

مینے اس مضمون کی ترتیب مین اکثر انگریزی تصانیف سے استفادہ کیا ہے، عربی کتابون مین صرف دیوان حماسہ معلقات سبعہ، اور بخاری میرے پیش نظر ہین۔ قرآن مجید کے اسلوب بیان اور صنایع و بدایع کے متعلق مشہور امریکن مستشرق، میکڈونلڈ کی کتاب "اسلام مین مذہبی طور اور دینی زندگی" کے اندر ایک عالمانہ بحث ہے، جسکی تلخیص اس مضمون مین آپ کو ملیگی، ڈاکٹر ٹسڈل اور انکی کتاب "ماخذ قرآن" کے متعلق ایک مرتبہ لکھا جا چکا ہے اس نے اپنی کتاب مین ایک جگہ قرآن مجید پر اس حیثیت سے بھی نظر کی ہے کہ آیا اسکے اندر ایسے مصرعے اور فقرے ہین یا نہین جو بجنسہٖ یا معمولی اختلاف کے ساتھ قدیم شعرائے عرب کے کلام مین پائے جاتے ہین؟ عربی نحو کے متعلق جرمنی کے ایک مشہور مستشرق کیسپری کی کتاب کا انگریزی ترجمہ جو ڈبلو رائٹ کی عالمانہ سعی کا نتیجہ ہے، میرے زیر مطالعہ رہا، ان کتابون کے علاوہ محاسن شاعری، تعیین اخلاق، رموز عشقیہ اور بعض کوائف دماغی کی تشریح مین فلسفہ و نفسیات کی کتابون سے مدد لی گئی ہے۔ چنانچہ "حکمت گوئٹھ" مصنفہ جان اسٹوارٹ بلیکی پروفیسر لسان یونانی "معاشرتی ماحول اور اخلاقی ارتقاء" مصنفہ الفریڈ رسل و یلس، "شعور جنسی" مصنفہ جیمس فی سٹر اسکات (بی اے، ایم ڈی) اور "مبادی نفسیات" (جلد ۲) مصنفہ ولیم جیمس خصوصیت کیساتھ قابل ذکر ہین، اور انکے اقتباسات

مضمون ہذا مین ملین گے، اس ضمن مین مینے فارسی کے ان کتب (تذکرہ تاریخ) سے بھی مدد لی ہے، جنکے نایاب قلمی نسخون کا مطالعہ کرنے کیلئے مین پٹنہ (اورنٹیل لائبریری)، مین اقامت گزین رہا

عربی شاعری کے تین ادوار

علما اور ادبا نے عربی شاعری کو تین حصون مین تقسیم کیا ہے[۵]، جاہلی، مخضرمی، اور اسلامی، ”شعرائے جاہلی“ انکو کہتے ہین جو بعثت اسلام کے قبل گزرے ہین، اور انکا زمانہ ڈیڑھ سو برس تک رہا ہے، شعرائے جاہلی مین جو مشہور ہین ان مین ”اصحاب معلقات“ (سبعہ معلقہ کے مصنفین) اور دوسرے اکابر شامل ہین جن مین سے چند یہ تھے:-

امرؤالقیس، طرفہ بن عبد، زہیر، عمرو بن کلثوم، عنترہ بن شداد، حارث بن حلزہ (معلقات کے چھ قصیدے جو عربی شاعری کے لئے سرمایۂ ناز ہین انھین کے افکار کا نتیجہ ہین) نابغہ ذبیانی، اعشیٰ، مہلہل، عروۃ بن الورد، عبد یغوث، عامر بن طفیل، حصین ابن حمام، قیس بن عاصم اور ابو محجن وغیرہ۔ ان شعرا کو جنھون نے جاہلیت اور اسلام دونو زمانے پائے انھین ”شعرائے مخضرمی“ کہتے ہین، ان مین جو زیادہ مشہور ہین انکے نام ہین حسان ابن ثابت، نابغہ جعدی، کعب بن زہیر، عباس بن مرداس لبید ابن ربیعہ، ابو ذویب، عمرو بن معدیکرب، زیاد بن زید، اور جنھون نے جاہلیت کا زمانہ نہین پایا بلکہ عہد اسلام مین نشو و نما پائی انھین ”شعرائے اسلامی“ کہتے ہین، ان مین کثیر، جمیل، جریر، الفرزدق، الاخطل، بشار بن برد وغیرہ بہت مشہور ہین اور جن شعرائے عہد امویہ و عباسیہ مین نشو و نما پائی انکو ”مخضرمی الدولتین“ کہتے ہین اور دولت عباسیہ کے شعرا ”مولدین“ کے نام سے مشہور ہین ان مین بشار بن برد کے بعد مسلم بن ولید، ابو العتاہیہ، ابن المعتز، ابن الرومی، متنبی، شریف رضی ابو العلا معری، ابو فراس، حسن بن ہانی طغرائی وغیرہم کا نام پایا جاتا ہے، دیوان حماسہ کی پہلی جلد مین ۶۵ شعرائے جاہلی، ۲۱ شعرائے مخضرمی، اور ۶۳ شعرائے اسلامی کے نام اور انکا نمونہ کلام درج ہے، انگریزی زبان کے ایک دلفریب ادیب، اور سنجیدہ مورخ، سر امیر علی (نور اللہ مرقدہ) نے عہد عباسیہ کے چند شعرا کا نام لکھا ہے، اور انمین بعض افراد کی ولادت اور وفات کی تاریخ بھی لکھدی ہے، ابو نواس خلیفہ امین کے زمانہ مین تھا اسکی تاریخ ولادت، ۷۶۳ء بتائی جاتی ہے، ارباب نظر کا خیال ہے، کہ ابو نواس عہد جاہلیت کے مشہور شاعر امرؤ القیس کا ہم پلہ ہے، اسکے بعد عتبی (متوفی ۸۲۳ء) اور ابو تمام حبیب (متوفی ۸۴۵ء) کا زمانہ شروع ہوتا ہے، بحتری بھی نوین صدی مین گزرا ہے، اور ابو تمام کی طرح ایک ”حماسہ“ کا مدون ہے، متنبی کی شہرت نے اکثر شعرائے متقدمین کے کمال پر پردہ ڈال دیا

ابو تمام طائی

دیوان حماسہ مطبوعہ دہلی کا جو نسخہ میرے پاس ہے، اس مین (عربی زبان مین) ابو تمام کی ایک مختصر زندگی پائی جاتی ہے، وفیات الاعیان، مصنفہ ابن خلکان مین اسکی زندگی پر ایک تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ چنانچہ امیر علی نے اپنی تاریخ، اور جناب مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری نے دیوان حماسہ کی عربی شرح مین، ابو تمام کے حالات زندگی

---

[۵] اس عربی عبارت کا ترجمہ و تلخیص ہے، جو دیوان حماسہ (جلد ۱) مطبوعہ دہلی مین ہے، غالباً یہ آغانی کا اقتباس ہے

وفیات الاعیان ہی سے لئے ہین،

مضافات دمشق کے ایک موضع جاسم مین جو دمشق اور طبریہ کے درمیان مین ہے، پیدا ہوا، مصر مین پرورش پائی ایک روایت یہ ہے کہ جامع مصر مین سقہ کی خدمت انجام دیتے تھے، دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ دمشق مین ایک جولاہے کے یہان کپڑا بننے کی نوکری کرتے تھے

ابو تمام بڑا فصیح و بلیغ شاعر گزرا ہے، ارباب علم کا بیان ہے، کہ قبیلہ طے مین تین شخص پیدا ہوئے جن مین ہر ایک اپنے کمال کے اعتبار سے یگانہ روزگار ہوا ہے، حاتم طائی سخاوت مین، داؤد بن نصیر طائی زہد و تقوی مین اور ابو تمام حبیب بن اوس طائی شعر و ادب مین، ایک بار ابو تمام دربار خلافت مین آیا اور احمد بن معتصم کی تعریف مین ایک قصیدہ پڑھا جب اس شعر پر پہونچا،

اقدام عمرو فی سماحۃ حاتم　　　فی حلم احنف فی ذکاء ایاس

دربار عباسیہ کا مشہور فلسفی ابو یوسف یعقوب بن صباح کندی موجود تھا، اسنے ابو تمام کو مخاطب کرکے کہا کہ امیر کی جو تمنے تعریف کی ہے وہ اس سے بالاتر ہین، ابو تمام نے ذرا غور کرکے سر اوٹھایا اور فی البدیہہ دو اشعار کہے۔

لا تنکروا ضربی لہ من دونہ　　　مثلا شرودا فی الندی والباس

فاللہ قد ضرب الاقل لنورہ　　　مثلا من المشکوۃ والنبراس

مطلب یہ ہے کہ اگر مینے خلیفہ کیلئے عمرو کی بہادری، حاتم کی سخاوت، احنف کے حلم اور ایاس کی ذہانت کی مثال دی ہے جن سے خلیفہ بالاتر ہین تو کوئی نقص کی بات نہین خود اللہ تبارک تعالی نے اپنے لئے "طاق" اور "شمع" کی مثال دی ہے اس سے اشارہ کیا گیا ہے سورۂ نور کی اس آیت کی جانب[۱]

اللہ نور السموت والارض مثل نورہ کمشکوۃٍ فیہا مصباح الخ

---

[۱] جتنے بڑے بڑے شعرا گزرے ہین، انکی زندگی مین بدیہہ گوئی کا کوئی نہ کوئی نادر واقعہ ضرور پایا جاتا ہے سلطان محمد خان شہید کے دربار مین ارباب فتنہ کی شکوہ پردازی کے باعث، خسرو پر جب خواجہ حسن شاعر کے ساتھ ہوا پرستی کا اتہام لگایا گیا تو انہون نے فی البدیہہ ایک رباعی کہی

عشق آمد و شد چون خونم اندر رگ و پوست　　　تا کرد مرا تہی و پُر کرد ز دوست +

اجزائے وجودم ہمگی دوست گرفت　　　نامیست مرا بر من و باقی ہمہ اوست

(تاریخ فرشتہ)

محمد مقیم الہروی لکھتے ہین کہ اکبر کے دربار مین ملا لطفی منجم ایک شاعر تھے بدیہہ گوئی مین انکو کمال تھا، چنانچہ انکے متعلق لکھتے ہین "تا ہزار بیت در مجلس بر زبان اور فتہ" (طبقات اکبری) حسین قلی خان عظیم آبادی، اور غلام علی آزاد بلگرامی نے مرزا صائب تبریزی کے حالات مین انکی جودت ذہن، جودت فہم، اور بدیہہ گوئی کے واقعات لکھے ہین چنانچہ حسین قلی خان کی روایت ہے، کہ ایک بار

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴ پر

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۳ بعض احباب نے امتحان کی غرض سے ایک بے معنی مصرعہ مرزا صائب کے سامنے پیش کیا، اور کہا کہ اسپر مصرعہ لگائیے، مصرعہ تھا "شمع گر خاموش باشد آتش از مینا گرفت" مرزا نے فی البدیہہ کہا

امشب از ساقی زبس گرم است محفل میتوان ۔۔۔ شمع گر خاموش باشد آتش از مینا گرفت

("نشترعشق" قلمی نسخہ۔ اورینٹل لائبریری) ـــــ غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہین کہ میر عظمۃ اللہ بیخبر بلگرامی "سفینۂ اشعار" مین میر عبد الجلیل بلگرامی کی روایت سے جو انہون نے مرزا صائب کے دوست مرزا خاضع سے سنی ہے، بیان کرتے ہین، کہ مرزا خاضع کہتے تھے، کہ مین مدت سے یہ دو مصرعے سنتا چلا آتا تھا اول "از شیشۂ بے مے بے شیشہ طلب کن" دوم "دویدن رفتن، استادن نشستن، خفتن و مردن" ایک دن مرزا صائب سے مینے کہا کہ ان پر مصرعے لگائیے، انہون نے فوراً کہا،

حق را ز دل خالی ز اندیشہ طلب کن ۔۔۔ از شیشۂ بے مے بے شیشہ طلب کن پھر فرمایا

بقدر ہر سکون راحت بود بنگر تفاوت را ۔۔۔ دویدن رفتن، استادن نشستن، خفتن و مردن (ید بیضا قلمی نسخہ)

صاحب مجمع الصنایع لکھتے ہین کہ ملک شاہ کے دربار مین امیر معزی کے ملک الشعرا بننے کا واقعہ یون ہے کہ عید کی چاند رات تھی شام کے وقت سلطان ایک کمان لئے ہوئے، امرائے دربار کو ساتھ لیکر اپنے کوٹھے پر آیا، اتفاقاً پہلے پہل بڑی مشکل سے چاند پر سلطان ہی کی نظر پڑی، اور اس نے تمام حاضرین کو دکھلایا اس واقعہ سے قدرتی طور پر اسے نہایت خوشی حاصل ہوئی امیر معزی نے انہین مخاطب کرکے کہا کہ اس موقعہ پر کوئی شعر کہو، امیر نے فی البدیہہ یہ رباعی کہی

اے ماہ کمان شہریاری گوئی ۔۔۔ یا ابروئے آن طرفہ نگاری گوئی

نعلے زدہ از زر عیاری گوئی ۔۔۔ در گوش سپہر گوشواری گوئی

ملک شاہ پھڑک گیا، اور اسپ خاص عنایت کیا، اسکے بعد امیر نے پھر ایک رباعی پیش کی

چون آتش خاطر مرا شاہ بدید ۔۔۔ از خاک مرا بہ زیر ماہ کشید

چون آب یکے ترانہ از من بشنید ۔۔۔ چون باد یکے مرکب خاصم بخشید

سلطان نے مزید ایک ہزار دینار اور چند قسم کے انعام کے ساتھ امیر معزی کا لقب عطا کیا (مجمع الصنایع۔ قلمی نسخہ مقبوضۂ خاکسار)

لیکن ابوتمام نے جس انداز سے مشرق کے اس مشہور فلسفی کا جواب دیا ہے، وہ اپنی شان اور طرز کے اعتبار سے بے مثل ہے، حاضرین کا خیال تھا کہ یہ اشعار ابوتمام نے قصیدہ مین لکھے ہوئے ہین لیکن جب انہون نے قصیدہ ہاتھ مین لیا تو انکی حیرت کی کوئی انتہا نہین رہی کہ اس نوجوان شاعر کا علوئے تخیل، اور نکتہ سنجی محض بدیہہ گوئی کا نتیجہ ہے، کندی نے کہا کہ ان ھذا الفتی یموت شابا، لوگون نے اس کا سبب دریافت کیا، انہون نے جواب دیا کہ مین اس جوان کے اندر جدت، ذکاء، فطنت لطافت حس پاتا ہون، اور اسی بنا پر میرا خیال ہے کہ نفس روحانیہ اسکا جسم اسی طرح کھا رہا ہے، جس طرح ہندی تلوار اپنے نیام کو کھا جاتی ہے حماسہ کی تدوین سے ابوتمام نے عربی زبان کی ایک بے مثل خدمت انجام دی ہے، صرف یہی نہین کہ حماسہ کے بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵

شاعر کی ذمہ داری کسی قوم کی شاعری پر غور کرنے سے قبل ایک محقق کا فرض ہے، کہ وہ اس قوم کی معاشرت، سیاسیات، مدنی خصوصیت، اور طبعی ماحول کو مدنظر رکھے، لہذا ضرورت ہے کہ پہلے یہ بتا دیا جائے کہ شاعر کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟

جان اسٹوارٹ بلیکی نے اپنی تصنیف "حکمت گوئٹھ" میں اسکے متعلق ایک نہایت دلچسپ بحث کی ہے وہ لکھتا ہے:-

"وہ عناصر اور قوتیں جو انسان کی استعداد ذہنی کی تعمیر، اور اسکی فضا اور ماحول کی تشکیل میں معاون ہوتی ہیں، دو قسم کی ہیں، باطنی، اور ظاہری، "باطنی" وہ جنھیں ہم فطری عقل و شعور، اور طبعی استعداد و اہلیت، جودت ذہن، اثر پذیری، قوت ارادی، طاقت جسمانی، تحمل، سنجیدگی، جرأت اخلاق وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں، "ظاہری" میں خاندان کی تربیت، مذہب، مدرسہ، اور حکومت کی اثر آفرینی، ہئیت اجتماعیہ، ملک اور آب و ہوا کی انقلاب انگیزی شامل ہیں۔"

ان اعتبارات سے جب گوئٹھ کی زندگی کا مطالعہ کیا جاتا ہے، تو اسمیں وہی نسلی خصوصیات اور قومی سیرت پائی جاتی ہے جو ایک جرمن کی زندگی کا مخصوص پہلو ہونا چاہئے، گوئٹھ جرمن زندگی کا ایسا ہی نمونہ تھا، جس طرح والٹیر فرانسیسی اور سقراط یونانی زندگی کا، لیکن ساتھ ہی وہ ایک واحد نمونہ تھا، اس خلقی قوت، اور کمال سیرت کا جسکی بدولت اسنے اپنی قوم کو کمزوری اور محکومیت

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴:- مطالعہ سے ہم قدیم عربوں کے طرز زندگی، آداب معاشرت، اقتصادیات، و سیاسیات عقاید و اوہام سے واقف ہوتے ہیں بلکہ مذہب اسلام کے نشو و ارتقاء سیاسی و اخلاقی افکار اور تنظیم و تنسیق پر بھی گہری روشنی پڑتی ہے۔

براؤن نے علامہ شبلی کے حوالہ سے، صائب کو فارسی ادب کا "ابو تمام" قرار دیا ہے، حالانکہ صائب تبریزی نے نہ تو ابو تمام کی طرح اہل فارس کے منتشر کلام کو قعر گمنامی میں گر کر غائب ہونیسے بچایا، اور نہ وہ ابو تمام کی طرح، اشعار فارس کا پہلا مدون ہے اسمیں شک نہیں کہ صائب کے متعلق تذکرہ نویسوں نے بالخصوص والہ داغستانی اور سراج الدین علی خان آرزو، نے لکھا ہے کہ انھوں نے فیضی، نظیری وغیرہ کے کلام کا انتخاب کیا ہے (ریاض الشعراء و مجمع النفائس) اور غالباً یہی وجہ ہے کہ علامہ شبلی نے لکھدیا ہے، کہ صائب کے اس مجموعہ منتخبات سے جسکا ایک قلمی نسخہ علامہ موصوف نے حیدر آباد دکن کی لائبریری میں دیکھا تھا، والہ داغستانی اور خان آرزو نے، استفادہ کیا ہے ورنہ بہ نظر انصاف دیکھا جائے، تو صائب سے پہلے ابن شرف الدین علی تقی الدین محمد حسینی کاشانی، (خلاصۃ الاشعار) اور تقی بن معین الدین اوحدی نے جو منتخبات اشعار درج کئے ہیں وہ زیادہ قابل قدر ہیں (عرفات العاشقین) صرف اسوجہ سے نہیں کہ تقی اوحدی، اور محمد حسنی کاشانی صائب سے پہلے گزرے ہیں اور انہیں نظیری، ظہوری، عرفی، فیضی اور دوسرے کثیر التعداد شعرائے فارس سے ذاتی ملاقات کا موقعہ ملا تھا، بلکہ حسن انتخاب، اور استعداد فہم کے اعتبار سے بھی قابل قدر ہیں، متاخرین میں ابو طالب اصفہانی کے منتخبات میں بھی نہایت عمدہ اور قابل تعریف اسلوب انتخاب پایا جاتا ہے (خلاصۃ الافکار) جسے دیکھکر کسی شاعر کے کمال اور خیال پر صحیح رائے زنی کیجا سکتی ہے، صائب کے کمالات سے انکار نہیں، لیکن تحقیق اس کی تائید نہیں کرتی کہ صائب فارسی ادب کا ابو تمام تھا

کی حالت سے خود اعتمادی کے اس معراج کمال پر پہونچا دیا، جہان جرمنی کا نخل حیات بار آور ہوگیا

لیکن اسکے برخلاف خود گوئٹھ کا عقیدہ ہے، کہ انقلاب زمانہ کیساتھ ماحول مین تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے، اور جہانتک ایک شاعر خارجی اثر پذیری کی اہلیت رکھیگا، اسی حد تک وہ ایک کامیاب شاعر کہلانے کا مستحق ہے شاعر کو اپنی ذاتی فکر و حساس کی بجائے، احساسات فطری اور عالم خارج کی نقش طرازی کرنی چاہئے، ہملوگ قدیم یونانیون کی (ٹریجڈی) کی تعریف کرتے ہین، لیکن اگر صحیح نظریہ سے کام لیا جائے تو انفرادی تخصیات کی بجائے قابل قدر وہ زمانہ اور وہ قوم ہے، جسکے ماتحت ایسے افکار کی آفرینش ہوئی، پھر یہ خصوصیات شان و تخیل صرف ڈرامہ ہی مین نظر نہین آتے، بلکہ غزل و مثنوی، فلسفہ، خطبۂ تاریخ و صنعت مین ہر جگہ مطالعہ کر رہے ہین، اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ صفات محض افراد کی ذہنیت کا نتیجہ نہ تھین بلکہ تمام قوم کے اندر یہی ایک روح موج مار رہی تھی،

اسکے بعد گوئٹھ یورپ کے مختلف شعرا پر ایک سرسری تنقید کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"شاعر کا فرض نیابت الٰہی کا حق ادا کرنا ہے، یہ نیابت اسی وقت کامل ہو سکتی ہے، جب فطرت کے دوش بدوش ہو اور جب ذہن شاعر کی وساطت سے نقوش فطرت کا ایسا صحیح خط و خال پیش نظر ہو جائے کہ ذہن سامع پر اسکا وہی اثر ہو، جو حقیقیات سے پیدا ہوتا ہے اسی لئے جہانتک شاعر کے خود ذاتی فکر و احساس کو دخل ہوگا اسی حد تک وہ تاثر سے گرے ہونگے، وہ کلام جس مین شاعر صرف اپنے ہی احساسات کی ترجمانی کرتا ہے، اور اس مین خارجی محاسن نہین پیدا کرتا وہ شعر کے معراج کمال سے گرا ہوا ہوگا سوفقلس نے سیرت کے جو نمونے پیش کئے ہین ان مین خود شاعر کی روحانی بلندی نظر آرہی ہے اور یہی شکسپیر کا حال ہے یہی وہ محاسن ہین جنھین ایک شاعر کو تاریخی واقعات کی ترجمانی مین ملحوظ رکھنا چاہئے، بلکہ شکسپیر کی پرواز اس سے بھی بالاتر ہے، اور وہ رومیون کو بالکل انگریزون کی شکل مین پیش کرتا ہے، اور وہ حق بجانب تھا کیونکہ اگر وہ دوسری صورت اختیار کرتا تو اسکی قوم انکی فکر و احساس کو سمجھتی ہی نہین، کسی شاعر کو ان تاریخی سیر تونکا علم نہین جنھین انھون نے اپنے کلام مین نقش کیا ہے، اگر اسے معلوم ہوتا، تو وہ انھین اس موضوع کیلئے منتخب ہی نہ کرتا، شاعر کیلئے صرف یہ علم ضروری ہے، کہ وہ کونسے تاثرات پیدا کرنا چاہتا ہے، اگر شعرا صرف مورخین کی روایات کا اعادہ کرین، تو انکی ضرورت ہی کیا ہے، شاعر کو مورخ سے بالاتر ہونا چاہئے، اور اگر ممکن ہو تو اسے اپنے افکار مین ایک مورخ سے زیادہ حسن ادا پیدا کرنا چاہئے"

اسکاٹ کے بیان سے پتہ چلتا ہے، کہ اسے عالم حقیقت کا کیسا وسیع علم تھا جسے اسنے عمر دراز کے درس

---

[۱] یہی وجہ ہے کہ نظامی اور جامی نے سکندر نامہ لیلی مجنون، یوسف زلیخا وغیرہ مین تاریخی حیثیت سے بے اعتنائی کی ہے، اور انمین واقعات تاریخی اسناد کے اعتبار سے غیر ذمہ دارانہ پائے جاتے ہین۔ ع۔

و مطالعہ کی بدولت حاصل کیا تھا

بائرن کو صرف ان باتون کے قطع و برید ہی نے جو موروثی، اور حب وطن سے متعلق تھین، تباہ نہین کیا بلکہ اسکے انقلاب پسند رجحان، اور اس مستقل دماغی اضطراب نے جو اسکے ساتھ مستلزم رہا کرتا، اسکے فطری عقل و شعور کو ایک معقول ترقی کا موقعہ نہین دیا اسکے علاوہ اسکے مستقل انکار و تنقیص نے اس کے عمدہ عمدہ تصنیفات کو بھی خراب کیا، چونکہ انکے مطالعہ سے صرف یہی نہین کہ ایک قاری کو شاعر کا فقدان قناعت متاثر کئے بغیر نہین رہسکتا، بلکہ اسکی مخالفت کے اخیر مین نفی پائی جاتی ہے، اور نفی کوئی چیز نہین، اگر مین کسی برے کو برا کہون، تو اس سے مجھے حاصل کیا ہوتا ہے، اگر مین کسی اچھے کو برا کہون، تو یہ ایک نہایت شرارت کی بات ہے، بائرن نے حکومت اور مذہب کے خلاف ہنگامہ بپا کیا انکی تنقیص شروع کی، اس شورش نے اسے انگلستان سے جلا وطن کر دیا اور وہ زمانہ نزدیک تھا کہ اسے یورپ ہی سے جلا وطن ہونا پڑے، اسکا ذہن اعلی اسکی فطانت وہبی تھی، اور میٹے اس سے بڑھکر کسی مین صحیح شاعرانہ قوت نہین دیکھی، خارجی اشیاء کے ادراک اور حالات ماضیہ کے صحیح فہم مین وہ شکسپیر کی طرح ایک بلند ہستی ہے، لیکن محاسن انفرادیت کے اعتبار سے وہ شکسپیر سے کم ہے،

شاعری پر سیاسیات کا اثر

شاعری پر سیاسیات وقت کا اثر ایک ناگزیر مسئلہ ہے امن و فساد حزن و مسرت حریت و غلامی کے متضاد قومی مظاہر شاعری کے اندر غیر شعوری طور پر منتقل ہو جاتے ہین اور ایک دقیق النظر انسان، کسی کلام کے مطالعہ سے اس عہد کے سیاسی فضا کے متعلق ایک حد تک صحیح رائے قایم کرنے کا اہل ہو جاتا ہے، شاعری پر منحصر نہین افکار دماغی کے تمام نتائج وقت سے اثر پذیر ہوتے ہین چنانچہ "تاریخ فلسفہ وسطی" مصنفہ مورس ڈی الف سے جس مین فلسفۂ دور وسطی کی خصوصیات اور انکے اسباب پر ایک محققانہ رائے زنی پائی جاتی ہے، اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔

شارلین کی سلطنت کی تباہی کے قبل عہد وسطی کی خمیر مین مفصلہ ذیل قوانین کے ماتحت تدریجی ترقی ہو رہی تھی۔

(الف) رومی دنیا سے اگر ایک طرف ملکی اور سیاسی تنظیم کا درس مل رہا تھا تو دوسری طرف حکمیہ اور فلسفیانہ خیالات کے اجزاء افکار قومی مین جذب و قبول کی کیفیات پیدا کر رہے تھے۔

(ب) جدید اقوام مین شورش رد عمل شروع ہوئی اور انہون نے رومیون کے ان داخلی عناصر کو اپنے رسوم و احکام کے مطابق جذب کر لیا، یہ جدید قومین کلدانی (　　　) اور جرمنی (جرمنی قوم مین فرینکس، انگلز، ٹیوٹنس، نورمنز بھی شامل ہین) تھین جرمن قوم کلدانیون مین مخلوط ہو گئی، جو اس سے قبل مغرب مین آباد تھی، اس اتحاد سے مخلوط قومین پیدا ہوئین جن مین مخصوص، گول، اطالیہ، اور ہسپانیہ کی جدید لاطینی قومین، اینگلو کلدانی (جن مین نورمن قوم کا خون ہے) اور رہائن کی ٹیوٹن اور جرمن قومین ہین، یہ تمام قومین تاریخ فلسفہ کی ترتیب کا اہم سلسلہ ہین،

(ج) مسیحیت نے تمام مدارج کی رہنمائی کی، اسے وحشی قومون کی تربیت اور انکو متمدن بنانے مین بڑی وقت لاحق ہوئی، مبلغین اور

راہبون کی جماعت مختلف مقامات مین پھیل گئی۔

شارلیمین کی حکومت مین اسکے جانشینون کے زمانہ مین برہمی پیدا ہوگئی، اور جب حکومت غیر منظم ہوگئی تو مسلمانون نے جنوب سے اور اہل ہنگریا نے مشرق سے حملے کئے اور ان حملہ آورونکی بدولت جدید تمدن داخل ہوا، شمال مین نورمن قوم کا اثر قایم ہوگیا، اور تمام آبادی نے اس اختلاط سے ایک رنگ اختیار کرلیا، اسکا نتیجہ یہ ہوا، کہ اس سے ایسی قومین پیدا ہوئین جو عجیب وغریب محاسن سے آراستہ تھین

یونان کی تاریخ شاعری مین بھی یہی عنصر پایا جاتا ہے، چنانچہ القمن (Alcman) اسپارٹا کا ایک غزلگو تھا دوسری جنگ میسینین کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اسکا عہد شروع ہوتا ہے، اسکی شاعری مین اس دور کی وہ خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی ہین، یہ وہ زمانہ تھا کہ ملک مین امن تھا، ماحول مین عیش ونشاط کی روح دوڑ رہی تھی، جو اختتام جنگ کے بعد لازمی امر ہے، القمن کے نغمات مین زیادہ تر لذائذ اکل وشرب کی چاشنی پائی جاتی ہے،

طبعی ماحول سے شاعر کی اثر پذیری

شعرا کے خیالات ان لطائف فطریہ کا مجموعہ ہین جنکے اجزا ماحول مین منتشر رہتے ہین اسلئے شاعری پر جغرافیہ طبعی کا اثر ہونا لازمی امر ہے، فلاسفہ کا خیال ہے، کہ کسی انسان کی پرواز فکر اسے اس کے خیالی نشیمن تک نہین پہونچا سکتی جب تک وہ حقیقت کا مطالعہ نہ کرچکا ہو۔ نیرنجات تصور، اور خیال کی عجائب آفرینی سے انکار نہین، لیکن ساتھ ہی لاک (Locke) کے اس نظریہ سے بھی انکار نہین ہوسکتا، کہ دماغ کے اندر کسی معمولی جدید خیالی کی بھی تخلیق کی صلاحیت نہین بلکہ نتیجہ ہے ان تجربات حسیہ کا جو بصر وسمع اور دوسرے حواس ظاہری وباطنی کی بدولت ہمین حاصل ہوتے ہین، ہمارے آبگینۂ تصور مین کتنی ہی جلا کیون نہو لیکن اسمین ایسی تخلیقی قوت نہین، کہ اشیائے موجود فی الخارج کے کسی نہ کسی عنصر سے ذات متصورہ ملتی نہو، ولیم جیمس اپنی کتاب "مبادی نفسیات" (جلد ۲) مین لکھتا ہے:۔

> وہ حسیات جنکا ایکبار تجربہ ہوجاتا ہے، نظام اعصابی کے وظایف مین شامل ہوجاتے ہین، اسلئے جب اصل تہیج غائب ہوجاتا ہے، تو انکی نقلین دماغ مین پھر عود کرتی ہین، دماغ مین کسی ایسے حس کی نقل مرتب ہی نہین ہوسکتی جس کی بلا واسطہ عالم خارج سے کوئی تحریک نہ پیدا ہوئی ہو۔
>
> خواب کے اندر ایک اندھا آدمی بینائی کا، ایک بہرا آدمی آواز کا ادراک کرسکتا ہے، گو انکی بصارت اور قوت سامعہ برسون قبل مفقود ہوچکی ہون، لیکن جو پیدائشی بہرا ہے، وہ نہین سمجھتا کہ آواز کیا ہے؟ اور نہ ایک پیدائشی نابینا دماغ کے اندر بصارت کا ادراک کرسکتا ہے، تمام دماغی خیالات کی اصل کوئی نہ کوئی عالم خارج کی تحریک ہوا کرتی ہے، تصور اس قوت کا نام ہے، جو دماغ کے اندر ان چیزون کی نقلین مرتب کرتی ہے، جنکی اصل سے وہ کبھی متاثر ہوچکی ہے، اس تصور کو جس مین نقلین ہو بہو اترین "تصور اعادی" (Reproductive) کہتے ہین اور جس مین مختلف حقایق سے عناصر لیکر ایک مربوط سلسلہ قایم کیا گیا ہو، اُسے "تصور تخلیقی"

(Productions) کہتے ہین

ڈاکٹر ابرکرامبی کا بھی یہی نظریہ ہے، جو انکی کتاب "قوائے عقلیہ" مین پایا جاتا ہے، اور جسکا حوالہ "غالب بے نقاب کے حجابات" مین ایک مرتبہ آ چکا ہے۔[۵]

استداد زمانہ، طبعی ماحول، اور سیاسیات وقت کے اثر سے قومون کے اخلاقی معیار بدلتے رہتے ہین، اقوام و ملل کی تاریخ اخلاق مین حسن و قبح کا معیار مختلف اور بعض اوقات متضاد پایا جاتا ہے، اور یہ نتیجہ ہے اُسی طبعی ماحول اور سیاسیات وقت کا ایک ہی چیز بیک وقت ایک ملک مین جائز اور محمود قرار دیجاتی ہے، اور وہی دوسرے ملک مین ناجائز اور مذموم متصور ہوتی ہے، لہذا موجودہ اصول تمدن، ارتقائے شعور، علوئے تہذیب اور اپنے ذاتی احساسات و افکار سے کسی قوم کے اخلاقی محاسن کا مقابلہ کرنا محققانہ اور منصفانہ طریق جستجو کے خلاف ہے، اگر ہم لوگ قدیم عربون کے محاسن شاعری کا مطالعہ کرنا چاہتے ہین تو ضروری ہے کہ پہلے تغیر اخلاقی کے اس کلیہ کو ذہن مین قائم کرلین جسکی تفصیل الفریڈ رسل ویلس کی کتاب "معاشرتی ماحول و اخلاق ارتقاء" مین پائی جاتی ہے۔[۶]

"ایک زمانہ مین یہ عقیدہ متداول تھا اور آج بھی بہت سے حضرات کا یہ خیال ہے - کہ ہر انسان مین جائز اور ناجائز کا علم موروثی اور طبعی ہوا کرتا ہے، اور یہ کہ ایک انسان کو اسکی ناجائز حرکات کے باعث صحیح طور پر سزا دیجا سکتی ہے، لیکن یہ نظریہ تمام و کمال صحیح نہین، چونکہ انسان کے مختلف طبقات اور زمانہ کے جداگانہ ادوار مین جائز اور ناجائز کا معیار بدلتا رہتا ہے، وہی فعل جو ایک وقت اور ایک مقام مین جائز قرار دیا جاتا ہے، دوسرے مقام مین اسے بدترین جرائم مین شمار کرتے ہین، اسلئے ہم لوگ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہین، کہ جسے ہم لوگ اخلاق سے تعبیر کرتے ہین وہ جائز اور ناجائز اطوار کے کسی موروثی اور طبعی ادراک کا نام نہین، بلکہ وہ ایک حد تک مجلسی و اجتماعی چیز ہے، جو مختلف زمانون اور مقامات مین معاشرانہ ترقی کے مدارج و اقسام کے اعتبار سے تغیر پذیر ہوتا رہتا ہے، کسی کا حقیقی اخلاق بالعموم ماحول کی پیداوار ہے، لیکن یہ مقامی اور عارضی ہوا کرتا ہے، اس سے سیرت پر کوئی مستقل اثر نہین ہوتا،

سیرت مجموعہ ہے، ان قوائے دماغی اور جذبات کا جن سے ذاتی اور قومی انفرادیت کی تعمیر ہوتی ہے، اسے موروثی کہہ سکتے ہین لیکن غالبًا جسم کی ہئیت اور شکل کی بہ نسبت اس مین تغیرات کی پذیرائی کا مادہ زیادہ ہے اسکے عناصر و اجزا مین باہمی خلط و ربط اسقدر گہرے طور پر پایا جاتا ہے، کہ انہین عام اصطلاح مین ازلی سے تعبیر کرسکتے ہین، اور یہی وجہ ہے کہ ہر ایک شخص کی ایک ممتاز انفرادیت ہوتی ہے، جسے ہم خطیبون کی خطابت شعراء کی شاعری، اور ارباب عمل کی ہنگامہ آرائیون مین مطالعہ کرتے ہین،

---

[۵] نگار بابت اکتوبر ۱۹۲۶ء
[۶] Social Environment & Social Progress

وہ دماغی قوٰی جو کسی مرد یا عورت کی سیرت بنانے مین معاون ہوتے ہین، بہت زیادہ ہین ان مین زیادہ مقدار ان قوٰی کی ہے، جو کسی فرد یا قوم کی حفاظت و بقا کے لیئے لازمی ہین اور بعض وہ ہین جو بالکل معاشرانہ اور اخلاقی ہین، یہ آخری دماغی قوتین جبلّی وساطت سے ہملوگون کے اندر صداقت، عدل، خیر خواہی کا رجحان پیدا ہوتا ہے، جب حسب مقدار دوسری دماغی قوتون سے ملکر ایک احساس ذمہ داری پیدا کرتی ہے (جسے ہم سیرت صالح یا اخلاق حسنہ سے تعبیر کرتے ہین) تو اکثر انہین عملی صورت مین دیکھا جاتا ہے، جسے ہیئت اجتماعیہ کا وہ طبقہ جہان ہم بسر کرتے ہین، بہ نظر استحسان دیکھتا ہے، اور یہ پسندیدگی سیرت پر رد عمل کا کام کرتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات اسے اس بہتر صورت مین دیکھا جاتا ہے جو حقیقتاً اس مین مفقود ہوتی ہے۔

بعض اوقات چال چلن پر ہمارے رفیقون اور ندیمون کی پسندیدگی کا اثر ایسا مختلف ہوتا ہے کہ اگر نظر استحسان کی یہ خلش اپنا کام نہ کرتی، تو سیرت مین اختلاف لازمی تھا، خصوصیت کیساتھ یہ حالت اسوقت ہوتی ہے، جبکہ اس پسندیدگی سے ثروت، جاہ، اور نفع کی صورتین پیدا ہوتی ہین انسان ان حالات کے ماتحت اپنے تہیجات طبعی کو روک نہین سکتا، اور اپنے باطنی امیال و عواطف، کو حقیقت کے خلاف پیش کرتا ہے، ایسے آدمیون کو ہملوگ "ارباب تملق" سے تعبیر کرتے ہین چونکہ یہ لوگ ہیئت اجتماعیہ پر یہ ثابت کرنا چاہتے ہین کہ انکی یہ سیرت بالکل طبعی ہے، حالانکہ وہ نتیجہ ہوا کرتی ہے، اس خیال کا کہ انہین اس ظاہر داری سے کوئی فایدہ ہوگا، اسلئے تمدن کی ایک بہت ہی پیچیدہ ہیئت مین یہ نہایت دقت طلب امر ہے، کہ ہملوگ صحیح طور پر کسی سیرت کے متعلق اخلاقی یا غیر اخلاقی نیک یا بد کا فیصلہ کر سکین، اسکے برعکس سیرت کی ان ذہنی اور جذبی صورتون مین جبکہ عام ماحول کا اثر نہین ہوتا، اور جبکہ پوشیدہ کرنے کے لئے کوئی طمع نہین ہوتی، ایسی دقت نہین پائی جاتی"

عربی شاعری پر جب اخلاقی نظر ڈالی جاتی ہے، تو ہم اسے فارسی اور اردو شاعری سے متمایز پاتے ہین صرف یہی نہین بلکہ کلام عرب کے مطالعہ کے بعد جب ہم سرسری طور پر اخلاقی نتائج مرتب کرتے ہین تو شعرائے عرب سے ہمین چندان ہمدردی اور موافقت نہین معلوم ہوتی، لہذا ضرورت ہے کہ جب ہم مین شعرائے عرب کے اخلاق اور سیرت کے متعلق کیفیات عذر یا جذبات رد و احتجاج پیدا ہون تو یہ نہین کہ کمالات شاعری کے اعتبار سے کلام عرب کو ناقابل توجہ خیال کرین، بلکہ ولیم جیمس، اور الفریڈ رسل ولیس کے نظریات، کو ملحوظ رکھتے ہوئے عرب کی خصوصیات شاعری پر غور کرین جس مین اخلاق کا اسوۂ حسنہ، خیالات کی سادگی، ظاہر و باطن کا وفاق فکر و احساس کی معصومیت، لہجۂ ادا کی بے تکلفی بہ درجہ کمال پائی جاتی ہے۔

عشق و شاعری کا تلازم اور اس کا فلسفہ

علی حزین کے سلسلہ مین مینے اپنا ذاتی خیال کسی قدر بسیط سے لکھدیا تھا کہ فارس کی عشقیہ شاعری خود شعرائے فارس کی خلش عشق کا نتیجہ ہے، یورپ کا ایک ایک مشہور نفسیاتی جیمس فاسٹر اسکاٹ بھی اپنی کتاب "شعور جنسی" مین یہی نظریہ پیش کرتا ہے یعنی جس انسان مین "جمالیات پرستی" کا ذوق سلیم جسقدر زیادہ ہوگا اس مین شاعری کی اہلیت بھی زیادہ ہوگی، فاسٹر اسکاٹ کا تو یہ خیال ہے کہ اگر عشق و محبت کی سحر آفرینی مفقود ہوتی، تو شاعری کا وجود بھی نہوتا، علمائے نفسیات کا خیال ہے، کہ نفس کسی لمحہ مین لذت والم کے احساس سے خالی نہین رہسکتا، غالب جنھین صحیح معنی مین نفسیاتی شاعر کہہ سکتے ہین، اس نظریہ پر اپنے خاص شاعرانہ خیال کا اضافہ کرکے فرماتے ہین۔

غم اگرچہ جان گسل ہے، یہ کہان بچین کہ دل ہے   غم عشق اگر نہوتا غم روزگار ہوتا

غالب کا نفسیاتی نظریہ یہ ہے کہ نفس کسی وقت ملال انگیز کیفیات سے خالی نہین رہسکتا، اسلئے وہ "غم عشق" کی حیات فرسا کیفیات کے ساتھ سازگاری پیدا کرنا چاہتے ہین "غم روزگار" انہین تھا یا نہین؟ اسکا جواب نفسیات کا دوسرا قانون ہے، انگلستان کے مشہور شاعر شکسپیر کے اس نظریہ کے مطابق

(جب نفس کسی بڑے غم مین مبتلا رہتا ہے، تو اسپر چھوٹے چھوٹے ملال انگیز واقعات کا اثر نہین ہوا کرتا) غالب غم عشق مین مبتلا تھے، اسلئے "غم روزگار" سے جو عشق کی اثر آفرینی کے مقابل مین پست درجہ رکھتا ہے، وہ بالکل غیر ملتفت ہوگئے اگر غم عشق جاتا رہے، تو جبتک سینہ حضرت دل کا کاشانہ ہے، نفس کسی نہ کسی پر ملال کیفیت مین مبتلا ضرور رہیگا، غالباً جرمنی کا مشہور شاعر گوئٹے بھی "فلسفہ غم" کے متعلق یہی عقیدہ رکھتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اسکی زندگی عہد طالبعلمی سے وسط حیوۃ تک جمالیات پرستی اور دلفروشی کے لئے وقف رہی جسکے لئے انگلستان کے اکثر "زاہدان خشک" اسکی وفات کے بعد بھی اس سے ناراض ہین، ساتوین صدی کے سب سے بڑے صوفی شاعر حضرت رومی بھی "حلاوت غم" کے معتقد تھے۔

بہ گداز ماہ منگر بہ گستگی زہرہ   تو "حلاوت غمش" بین کہ یکے ہزار بادا

عہد اکبری اور عادلشاہی کے مشہور فارسی شاعر، نورالدین ظہوری ترشیزی کا بھی یہی خیال ہے۔

باظہوری چہ خوش براید غم   اے خوشا عیش جاودانۂ ما

جیمس فاسٹر اسکاٹ کے نظریات عشقیہ حسب ذیل ہین:۔

"مادر فطرت کی بڑی کوشش یہ ہے کہ زندہ ہستیون سے کرۂ ارض کو آباد کرے، اور فطرت کی خصوصیات نقش ونگار سے آراستہ کرے، ان دو نو اغراض کے تکملہ کے لئے فطرت اپنی سعی پیہم مین مشغول ہے، اور اس وجہ سے کہ اصناف و انواع کا سلسلہ جاری رہے ہر نوع مین قدرتی طور پر تخلیقی عناصر ودلیعت کئے گئے ہین جنکا نام

"شعور حیاتیہ" "ذوق جنسیہ" اور جنھیں ہم صاف الفاظ مین "محبت جنسی" کہتے ہین"

پیٹور نیو کہتا ہے، یہی طبعی فرط محبت ازدواجی اور عایلی زندگی کا سبب اولین ہے، حیاتیات کے نقطۂ نظر سے وجود محبت کا سبب سادہ طور پر یہ ہے کہ دو چھوٹے چھوٹے جراثیم تخلیقی مین مرابطہ اور اتصال پیدا ہو جائے۔ ہمارے دماغ مین عشق محبت کی دنیائے اور جتنے محاسن کے اسباب متعلق ہین وہ گویا اس مرکز کی مختلف شاخین ہین، اور یقیناً تمام محرکات الفت مین غیر شعوری طور پر یہی غرض پنہان ہوا کرتی ہے، شعور جنسی حقیقی ازدواجی زندگی کا سنگ بنیاد ہے، اور جہان جنس مقابل کے دو افراد مین جنسی کشش نہین وہان "عشق افلاطونی" (Platonic love) کے سوا کوئی چیز نہین جس کو عشق کے بجائے دوستی سے تعبیر کر سکتے ہین

جانورون مین اس قانون کا اظہار عمومیت کے درجہ سے متجاوز ہے، اور اس اختلاف رجحان کی مثالین جس مین صرف شہوت پرستی پائی جاتی ہے، انکے درمیان ایک استثنائی پہلو رکھتی ہے، اسی طرح بعض آدمی آسانی سے بازاری عورتون کے ساتھ "محبت بہیمیہ" پیدا کر لیتے ہین لیکن اسمین اور ایک شریفانہ محبت مین بعد المشرقین ہے۔

شعور جنسی مرد و عورت کو باہم محبت کرنیکی ترغیب دیتا ہے، ان سے ازدواجی زندگی، آبادی مکان اور پیدا ہونے والی اولاد کیلئے پرورش و پرداخت کا انتظام کراتا ہے، اور یہ احساسات جنسی زندگی کے بہت سے امیال و عواطف پر رہنمایانہ اثر ڈالتے ہین، جنھین ہمارا مذہب، ہماری ادبیات، ہمارا علم و فن شامل ہین، اگر انسان اس تخلیقی شعور یا دماغی طور پر جو کچھ اس سے پیدا ہوتا ہے، محروم کر دیا جاتا تو تقریباً ہماری کل شاعری اور غالباً ہماری تمام حسیات اخلاقی بھی ہماری زندگی سے علیحدہ ہو جاتین غالب نے اپنے ایک شعر مین اسی نفسیاتی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

تھی وہ اک شخص کے تصور سے
اب وہ رعنائی خیال کہان

محبت جنسیہ کی خواہشون کا حصول جو ایک قانون فطرت ہے حقیقتاً اک پاک اور عفیف تعلق ہے اگر جنس و نوع کے تحفظ کا خیال ملحوظ ہے اور ازدواجی زندگی پیش نظر ہو لیکن اگر یہ نہین ہے تو ایسے افراد بہایم کے درجہ سے بھی گرے ہوئے ہین،

عشق و محبت صرف اس وقت معقول پہلو رکھتی ہے، جب حافظہ کے اندر ناپاک تاثرات کا اثر موجود نہو، اور جب عورت اور مرد آپس مین روح و جسم دونو اعتبار سے ایک دوسرے کے طالب ہون،

اس محبت سے بہجت و انبساط حاصل ہوتا ہے، اور یہ نتیجہ ہے اس ادراک صحیح کا کہ مرد عورت کی سب سے بڑی اہلیت یہ ہے، کہ ان سے خلقت و آفرینش کا سلسلہ جاری رہے، اور اس ایقان کامل کا کہ یہ کرشمہ عشق کسی اخلاقی یا جسمی معصیت سے ملوث نہیں۔

مرد کے اندر علاقہ جنسی کی خواہش عورت کی بہ نسبت زیادہ قوی ہوتی ہے، اسلئے عشق و محبت میں اقدام طبقہ ذکور کا طغرائے امتیاز ہے، لیکن جہان تک جنسیت کی خلش افکار کا تعلق ہے، قدرت نے عورت ہی کے اندر زیادہ اہمیت پنہان رکھی ہے، اور وہ خصوصیت جسمیہ کے اعتبار سے مخلوقات مین سب سے جلیل القدر رہتی ہے۔

شہوانی خیالات مرد کے اندر زیادہ محکم ہوتے ہین اور فطرتاً ایک مرد کی محبت عورت کی طرح زیادہ گہری نہین ہوتی، عورت کے نزدیک عشق نام ہے کلیات زندگی کا مرد کے نزدیک عشق تعبیر ہے، زندگی کے ایک بہترین نشاط سے، جیسا کہ میڈیم ڈی اسٹائیل کا مقولہ ہے کہ "عشق حیات نسوانی کی تاریخ ہے، اور مرد کی زندگی کا محض افسانہ ہے" عورت کے فسانۂ عشق کی اس سے بہتر تعریف نہین ہوسکتی، جو عرفی نے بیان کی ہے ؎

گمان مبر کہ دلم را توان تسلی داد کہ نارمیدہ تراز زخمہائے ناسورم

ایک عورت کی حقیقی محبت کو ٹھیس لگنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس کے اوراق حیات کا شیرازہ بکھر گیا ؎

من و شمع صبحگاہی سزد ار بہم بگرییم کہ بسوختیم و از ما بُت ما فراغ دارد

اسکے برعکس مرد کے اندر یہ استعداد موجود رہتی ہے کہ وہ اس صدمہ سے جانبر ہو کر دوسرا مطمح نظر قائم کرے البتہ اگر شہوت پرستی کے باعث اس مین نسائی کمزوری پیدا ہو جائے گی تو وہ ایک عورت ہی کی طرح اپنی تباہی کا سامان پیدا کر لیگا۔ عورت خصوصیت کیساتھ مرد کی روح سے اسکے افکار و خیالات سے اور اس کے صفائے قلب سے محبت رکھتی ہے۔ جب وہ صاحب اولاد ہوتی ہے، تو اس محبت کو، اپنے شوہر اور بچون کے درمیان مین تقسیم کر دیتی ہے، عورت کے اوپر شعور جنسی کا اثر بہت گہرا ہوتا ہے، اسکی ایک وجہ یہ ہے، کہ اسکے نزدیک صرف اسکا شوہر ہی اسکی خواہش جنسی کے پورا کرنے کا ذریعہ ہے۔

جو مرد خواہشات کے بندے ہین یا شعور جنسی کی ہوس رانیون مین مبتلا ہین، اور جنھون نے لطائف جنسی کو امراض سے تباہ کر لیا ہے، وہ حقیقی عشق کی صلاحیت نہین رکھتے، ایسے افراد کو عالم نسوان کی خصوصیات مین صرف ہوس رانی نفس پرستی نظر آتی ہے اور ان کے جذبات کو قیام نہین ؎

فروغ شعلۂ خس یک نفس ہے ہوس کو پاس ناموس وفا کیا

عشق کی ایک اور قسم ہے جسے "عشق خیالی" (Romantic love) کہتے ہین، اسمین ایک

خاص قسم کی وحشت پائی جاتی ہے، یہ بالکل غیر فطری قسم ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکا مبتلا کسی دماغی مرض مین گرفتار ہے ایسا شخص شاذ و نادر ازدواجی زندگی اختیار کرتا ہے اور وہ عشق و محبت کی اُس دنیا مین رہتا ہے جہان سوائے واہمہ پرستی و خیال پرستی کے اور کچھ نظر نہین آتا ہے لیکن ان تہیجات کو عشق حقیقی سے کوئی تعلق نہین ایسی صورتون مین جب تخئیل مردہ ہوتی ہے تو عشق بھی فنا ہو جاتا ہے "حقیقی عشق" اس شعور جنسی کا نتیجہ ہے، جو شہوت رانیون سے پاک ہو حقیقی عشق روحون کو ایک دوسرے سے ایسا وابستہ کر دیتا ہے، کہ ایک شخص اپنی جان کو دوسرے کے لئے بلا پس و پیش انتہائی درجہ کی صبر آزما مصیبتون کے حوالہ کر دیتا ہے، ایک عورت کی پاکدامنی، اعتماد گزینی اور اطاعت شعاری کا مقتضایہ ہے کہ وہ خود کو جس ہستی سے وابستہ کرتی ہے، اسکی طرف سے اپنی روح کے اندر ایک پُر اعتماد محبت کا جذبہ محسوس کرتی ہے اور جب اسے یقین ہو جاتا ہے کہ کوئی ہستی اسکی محبت مین مبتلا ہے، تو وہ اپنا ایمان بھی اسپر نثار کر دیتی ہے علی حزین نے عشق نسائی کے اسی فلسفہ کی طرف اشارہ کیا ہے، ع

زخود تہی شدہ ام چون نے ز نالہ پُرم　　خروش درد تو پیچیدہ در گلیست مرا

قدیم عربونکی شاعری مین (بہ استثنائے امرؤ القیس) حسن و عشق کے افسانے جو فاسٹر اسکاٹ کے نظریہ مین شعور جنسی کی لطافت احساس کا نتیجہ ہین، نہایت سادہ بے تکلف اور فطری معلوم ہوتے ہین فارسی شعرا کی طرح انمین مبالغہ اور افراط نہیں پایا جاتا، وہ اپنی کیفیات باطن کو بے کم و کاست بیان کر دیتے ہین اس مین شک نہین انہون نے ماحول کے دلکش مناظر سے استفادہ کرکے اپنی محبوبہ کے لئے عمدہ عمدہ تشبیہات وضع کین، لیکن اہل فارس کی طرح انکے کلام مین تصنع اور آورد نہین، وہ بارگاہ حسن و عشق مین قربانیان کرنے کے عادی ہین، لیکن انکے جنون محبت اور وارفتگی مین بھی صداقت و حق گوئی کا ارتباط موجود ہے، عربی اور فارسی شاعری کا یہ امتیاز عہد اموی اور عباسی مین باقی نہین رہتا، عربی شاعری کی یہ خصوصیت صرف شعرائے جاہلی اور مخضرمی کے کلام مین پائی جاتی ہے " (باقی)

عبد المالک (آروی)

شہاب کی سرگزشت

حضرت نیاز کا وہ عدیم النظیر افسانہ جو اُردو زبان مین بالکل پہلی مرتبہ سیرت نگاری کے صحیح اصول پر لکھا گیا ہے۔ اس کی زبان اسکی تخئیل اسکی نزاکت بیان، اسکی بلندی مضمون اور اسکی انشاء عالیہ سحر حلال کے درجہ تک پہونچی ہے۔ قیمت علاوہ محصولڈاک ایک روپیہ (عہ)

مینیجر نگار- نظیر آباد لکھنؤ

شاہ نظام الدین اولیاء کی ایک عجیب و غریب تصنیف

اور

روایت احادیث کا ایک فتنۂ بے پایان

آج ہم جس کتاب کا تعارف قارئین نگار سے کرانا چاہتے ہین۔ اسکی تعریف اس سے زیادہ کیا ہوسکتی ہے کہ :-

"این جواہر گنج الہام ربانی واین زواہر فصل علوم سبحانی کہ از زبان در ربار ولسان گوہر نثار سلطان المشائخ شیخ شیوخ العالم قطب علامۃ الدنیا بدر الطریقہ برہان الحقیقۃ سید العابدین بدر العارفین عمدۃ الابرار قدوۃ الاخیار تاج الاصفیا سراج الاولیا ملک السالکین برہان العاشقین فرید الحق والشرع والدین متع اللہ المسلمین بطول بقائہ جمع کردہ شد وانچہ از ان تاج الصالحین از عین لفظ الیشان بہ سمع میرسد در این مجموعہ کہ نام اوست راحۃ القلوب[1] نبشتہ آمد بتوفیق اللہ تعالےٰ"

مختصراً یون سمجھئے کہ یہ کتاب بابا فرید شکر گنج کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کی ترتیب حضرت نظام الدین اولیا نے ۱۵ رجب روز چہار شنبہ ۶۵۵ھ سے شروع کی تھی، حضرت نظام الدین اولیا اس کتاب مین ایک جگہ ارشاد فرماتے ہین :-

"دعاگوے مسلمانان کہ یکے از سلک بندگان سلطان الطریقۃ فی الارضین، ہست نظام الدین احمد بدایونی کہ جامع این معانی است سعادت پائے بوس سید العابدین حاصل کرد ہمانا کلاہ چہار ترکی کہ دولت دین و دنیا بہ فرق اوست بہ دست مبارک خود فرود اورد وبر سر دعاگوے نہاد و فرقہ خاص و نعلین چوبین عطا کرد۔ والحمد للہ علےٰ ذالک"

سلطان الطریقۃ فی الارضین وسید العابدین کا اشارہ حضرت بابا فرید شکر گنج کی طرف ہے حضرت نظام الدین اولیا اور حضرت بابا فرید شکر گنج کی جو قدر و منزلت ہندوستان مین ہے اس کو سامنے رکھ کر جب مین نے اس کا مطالعہ کیا تو سب سے پہلے یہ خدشہ میرے دل مین پیدا ہوا کہ یہ کتاب[1] جعلی تو نہین۔ مگر جب مین نے جا بجا حضرت نظام الدین اولیا کے معاصرانہ واقعات مغلون کی دست برد کے دیکھے اور انکے معاصرین کے بہت سے نام پائے اور فارسی عبارت مین بھی وہ ہندوستانیت نہین دیکھی جو ابو الفضل و فیضی کے بعد پیدا ہوئی ہے تو میرے پاس کوئی بڑی وجہ شک کرنے کی باقی نہ رہگئی۔ اگرچہ اس مین بعض ایسے واقعات کا ذکر ہے جو صریحاً خلاف واقعہ و تاریخ ہین مگر چونکہ وہ واقعات ہندوستان کے باہر کے ہین اس لئے

---

[1] اسکا نام راحت القلوب ہے لیکن مجھے اس کا علم نہین کہ چھپ کر شائع ہوگئی ہے یا نہین۔ بہر حال جو نسخہ مجھے دستیاب ہوا ہے وہ قلمی ہے اور بہت زمانہ کا لکھا ہوا ہے۔ اور اس کو دیکھ کر مین نے یہ تنقید کی ہے۔

ہو سکتا ہے کہ اسکی تحقیق ہندوستان والون کو اس زمانے مین نہ ہوئی ہو۔

چنانچہ کتاب مین دو جگہ بہ سلسلہ کرامات اولیاء اللہ مغلون کے حملہ چین کا ذکر آیا ہے جو بالکل خلاف واقعہ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ چین تحریری غلطی ہو اور یہ کسی ایسی جگہ کا نام ہو جو چین سے لفظی مشابہت رکھتا ہو ایک جگہ دمشق پر مغلون کے دخل پانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ بھی خلاف واقعہ ہے کیونکہ پہلا حملہ دمشق پر تیمور کے مغلون نے کیا تھا جو نظام الدین اولیا کے دو سو برس بعد کا واقعہ ہے۔

ساری کتاب عجیب و غریب باتون سے پر ہے اور بزرگون کے کرامات اور خصوصاً انکے مجاہدہ نفسی کے نہایت عجیب غریب واقعات درج ہین۔ بعض جگہ بابا فرید اپنے بغداد کے قیام کا ذکر کرتے ہوئے وہان کے پہاڑون کا حال بیان کرتے ہین حالانکہ وہان پہاڑ کوئی بھی نہین ہے۔ بہر حال اسوقت مجھے اپنی توجہ ان بے شمار حدیثون کی طرف مبذول کرنی ہے۔ جن سے یہ کتاب بھری پڑی ہے۔ مین اپنے کو حدیث کا عالم نہین کہتا مگر خدا نے میرے دماغ مین ایسی صلاحیت پیدا کی ہے کہ جب مین کسی کتاب کو غور سے دیکھ لیتا ہون تو اسکے نفس مضمون کو بہت کم فراموش کرتا ہون۔ حدیث کا مطالعہ ایک عامی کی حیثیت سے مین نے بہت کافی کیا ہے اور اگر کوئی کسی حدیث کے متعلق یہ کہدے کہ فلان کتاب مین ہے تو مین اسکی تصدیق و تکذیب بغیر کتاب دیکھے کر سکتا ہون اسواسطے مجھ پر سکتہ سا طاری ہو گیا جب مین نے دیکھا کہ اس کتاب مین ایک حدیث بھی ایسی نہین جو موضوعات ہی مین پائی جاتی ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ گنجینۂ حقیقت و معرفت در حقیقت واقعی بابا فرید شکر گنج کے ارشادات کا مجموعہ ہے جسے نظام الدین اولیا نے مرتب کیا تو کیا ایسی بے سروپا باتون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا درست ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ اس قسم کی احادیث محض نیک نیتی سے مسلمانون کے اصلاح کی غرض کے لئے وضع کی گئی تھین تو بھی ایسی دور از عقل باتون کو بلا تکلف و بلا سند حدیث قدسی بنا کر پیش کرنا کسی طرح روا نہین ہو سکتا۔ امام غزالی بھی اس مصلحت کوشی کے عادی تھے۔ چنانچہ ایک مصری فاضل نے نہایت محنت سے احیاء العلوم کی حدیثون کے لئے اسناد ڈھونڈنے کی سعی مشکور کی ہے تاکہ غزالی کے سر سے الزام رفع ہو جائے۔ مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کے وصال کے دو صدی بعد وضع حدیث کا جو فتنہ اٹھا تھا وہ حضرت بابا فرید شکر گنج کے زمانہ تک بند نہ ہوا۔ اور موضوع حدیثون کا اتنا بڑا انبار جمع ہو گیا کہ اس نے قرآن کو بالکل محو کرا دیا۔ مین اس مضمون مین چند حدیثین ہو بہو نقل کرتا ہون۔ اور قارئین کی رائے پر اسکا فیصلہ چھوڑتا ہون۔ بڑے لطف کی بات یہ ہے کہ ساری کتاب مین ایک بھی صحیح حدیث کہین نظر نہین آتی اور ایک جگہ تو یہ غضب کیا ہے کہ قرآن کی بعض آیات کی تفسیر مین وہب بن منبہ کی طرف سے ایسے بے سروپا باتین لکھدی ہین کہ اُن کی غریب وہب کے فرشتون کو بھی خبر نہ ہوگی۔ ایک جگہ سورہ مائدہ کی آیت "اللھم انزل لنا مائدۃ من السماء لاولنا و آخرنا" کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ یہ مائدہ امت موسی پر نازل ہوا، ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ غلطی سے بجائے "عیسی" کے موسی لکھ گیا ہو سو اس کو حسن ظن کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ بعض اقتباسات ملاحظہ ہون:۔

۱- بر لفظ مبارک راند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در شب معراج خرقہ یافتہ بود دا لجنان بود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از معراج باز گشت۔ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم را پیش خواند و فرمود من خرقہ از پروردگار خود یافتم مرا اذن ست کہ این را بہ یکے از شما بدہم۔ سخن از شما خواہم پرسید تا کدام کسے از شما جواب با صواب دہد تا خرقہ دہم اول رو بسوے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کرد و گفت یا ابا بکر اگر این خرقہ بتو دہم چہ کنی گفت یا رسول اللہ صدق ورزم و طاعت خدائے تعالیٰ کنم و آنچہ پیش من از مال و منال دنیاے دنی باشد جملہ در راہ خدا تعالیٰ صرف کنم بعد ازان روے بہ امیر المومنین عمر خطاب رضی اللہ عنہ آورد کہ یا عمر اگر این خرقہ ترا دہم چہ کنی۔ گفت یا رسول اللہ اگر این خرقہ مرا دہی عدل کنم و با بندگان خدا انصاف ورزم و داد مظلومان بدہم۔ بعد ازان روے بامیر المومنین عثمان رضی اللہ کرد کہ یا عثمان اگر این خرقہ بتو دہم چہ کنی گفت یا رسول اللہ اگر این خرقہ مرا دہی بہ اتفاق یکدیگر کار کنم۔ انچہ حق باشد بجا آرم و حیا ورزم و سخاوت کنم۔ بعد ازان روے بہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کرد کہ یا علی اگر این خرقہ بتو دہم چہ کنی گفت یا رسول اللہ اگر این خرقہ مرا دہی پردہ پوشی کنم و عیب بندگان خدائے تعالےٰ پنہان سازم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود بستان علی این خرقہ بہ تو را دہم و مرا فرمان حضرت عزت ہمین بود کہ ہر کدام از یاران تو این جواب دہد خرقہ بدو دہی"۔ اس حدیث کے بیان کرنے کے بعد شیخ الاسلام روتے روتے حسب معمول بے ہوش ہو جاتے ہیں اور جب ہوش میں آتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ "درویشی پردہ پوشی ہست"۔ یہ ہے تصوف کی تاریخ تکوین ... اور اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام کے ذکر میں خلافت مابعد کی ترتیب کیوں قایم رکھی گئی۔ تو آپ وہ بے شمار حدیثیں ملاحظہ فرمائیے جو حضرت شاہ ولی اللہ ایسے متکلم نے بھی ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء میں بیان کی ہیں۔

۲- سخن در دنیا می رفت بر لفظ مبارک راند کہ در حدیث است از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ "حب الدنیا راس کل خطیئۃ" یعنی دوستی دنیا سر ہمہ خطا است۔ انگاہ فرمود "قال اہل المعرفۃ من ترک الدنیا ملک و من اخذہا ہلک"

معلوم نہیں یہ حدیث کہاں ہے۔ البتہ خدا کا یہ ارشاد ضرور معلوم ہے کہ "دنیا کی نعمتوں کو تم پر کسنے حرام کیا"؟ اور یقیناً رسول اللہ بھی قرآن کی اس تعلیم سے ناواقف نہ تھے۔

۳- بعد ازان فرمود کہ در خبر ست از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ امشب (یعنی شب معراج) از آسمان ہفتاد ہزار فرشتہ مقرب با طبقہائے پر از نور فرود می آید و درون ہر خانہ در روند ہر کس کہ این شب را زندہ داشتہ باشد و از معاصی دور بود فرمان رب العزت والجلال چنان می شود کہ بر سرہائے ایشان این طبقہائے نور نثار کنند"
یہ انھیں لغو و مہمل روایات میں سے ایک روایت ہے جو اسلام کے اندر "علم الاصنام" پیدا کرنے کی

ذمہ دار سمجھی جاتی ہیں۔

یہ ابو ہریرہ کی ایک مشہور حدیث ہے جو بعض کتب حدیث میں نظر آتی ہے مگر روایت و درایت سے اس کی لغویت[۱] ثابت ہو چکی ہے۔ اس حدیث کا ذکر اس طرح ہوتا ہے:۔

"آنگاہ ہم درین میان غلبات شوق فرمود کہ چون ایام عمر مہتر موسیٰ صلوٰت اللہ و سلام علیہ بسر آمد۔ روزے در راہ میگزشت و چون مستان میخرامید کہ با ملک الموت ملاقات شد۔ سلام کرد جواب سلام باز داد پرسید کہ تو کیستی گفت ملک الموت۔ مہتر موسیٰ در شوق و اشتیاق بود۔ دست بر آورد و طپانچہ بر روے ملک الموت چنان زد کہ از پیش موسیٰ علیہ السلام بگریخت (حدیث میں ملک الموت کی آنکھ پھوٹ جانے کا ذکر ہے) گفت بار دگر نیایم چون ملک الموت بمقام خود باز آمد سر بسجدہ نہاد۔ گفت الٰہی مرا بر کسے فرستادی کہ اگر از پیش او نمی گریختم مرا ہلاک کردے (یا للعجب۔ ملک الموت کو خود اپنی ہلاکت کا اندیشہ) آنگاہ خطاب آمد کہ اے ملک الموت تا بہ دانی کہ میان محبان غیرے کار ندارد و ما دائیم و دوست ما۔ بعد ازان مہتر موسیٰ روز دوم نماز گذاردہ مستقبل قبلہ در بیت المقدس نشستہ بود (کیا خوب تاریخ ہے۔ کہاں جناب موسیٰ اور کہاں بیت المقدس جو ان سے ایکہزار سال بعد حضرت داؤد کے زمانے میں تعمیر ہوا) مہتر جبرئیل علیہ السلام در آمد و سلام کرد بعد از سلام صلوٰۃ فرستاد سیبے از بہشت آوردہ بود بدست مہتر موسیٰ علیہ و علی نبینا الصلوٰۃ والسلام داد (بالکل یہی واقعہ ذوالنون مصری کی نسبت بھی بیان کیا گیا ہے) آن سیب را بوسے کرد بوسہ و دست از سیب در دماغ او برفت نعرہ بزد و جان بداد"۔ اسکے بعد شیخ الاسلام حسب معمول روتے ہیں اور رلاتے ہیں اور پھر بے ہوش ہو جاتے ہیں

۵۔ ازان سخن در این افتادہ بود کہ خواجہ عبد اللہ ابن مسعود کوتاہ بالا بود۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در حق او فرمودہ اند۔ کنیفتہ العلم یعنی خریطہ علم۔ (میرے پاس فون کریمر کی تصحیح کی ہوئی اصابہ بھی ہے اور کامل ابن اثیر اور اسد الغابہ بھی۔ مگر ان میں کہیں انکا ذکر نہیں)

بعد ازان فرمود کہ وقتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میخواست کہ نماز بگزارد۔ و ہیچکس حاضر نبود مگر عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ دست او گرفت و برابر خود آورد و بایستانید چون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یہاں کی عبارت کرم خوردہ ہو گئی ہے۔ شاید برائے نماز دست بر بست" ہوگا) عبد اللہ ابن عباس از مقام نو و پستر آمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نماز بشکست (کہاں ہیں صاحب ہدایہ اور دیگر علماء فقہ و شریعت)۔

---

[۱] قال الرازی انہ علیہ السلام حکی ذلک عن الیہود لانہ حکاہ عن اللہ تعالیٰ او عن نفسہ الرسول علیہ السلام کان قد ذکرہ ۱۵ الکاتبہ الان الراوی حین دخل ما سمع ہذا الکلام فظن انہ علیہ السلام ذکرہ عن نفسہ لا عن الیہود۔ ۱۲

دست او بگرفت و برابر خود بایستانید و نماز شروع کرد۔ باز عبد اللہ رضی اللہ عنہ از جائے پس تر آمد تا دو سہ بار ہم چنین کرد بعد از ان حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ چرا پس تر میروی گفت مرا چہ زہرہ است کہ برابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بایستم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را حسن ادب او خوش آمد در حق او دعا کرد

ابن عباس کی ایک روایت سے یہ ضرور پایا جاتا ہے کہ ایک رات جب وہ اپنی پھوپھی میمونہ کے ہان سو رہے تھے تو رسول اللہ اٹھے اور وضو کیا۔ ابن عباس بھی جاگ رہے تھے۔ کم سن بچے تھے۔ انھون نے بھی شوق مین وضو کیا اور آپکے ساتھ نماز مین شریک ہوگئے تو رسول اللہ نے انکو اپنے برابر کھڑا کر لیا۔ مگر جو انداز بیان شیخ الاسلام کا ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے۔

۷۔ انگاہ بر لفظ مبارک راند کہ در حدیث آمدہ است از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ بدرستی و راستی علم و عقل ہر دو شریک یکدگر اند زیرا چہ عقل را چارہ نیست از علم پس فاضل ترین مردمان کیست کہ خود را بشناسد۔ پس درین صورت عقل مختار است

۸۔ فرمود کہ وقتے در عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتے دو بچہ زائید متصل۔ در حضرت رسول عرضداشتہ کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرما تا از یکدگر جدا شوند۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در تفکر بود کہ در این اثنا جبرئیل علیہ السلام فرود آمد و گفت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمان می شود کہ یک شانہ راست کنید و آن شانہ در سر ہر دو بگردانید بفرمان خدائے عز و جل از ہم جدا خواہند شد رسول فرمود صلی اللہ علیہ وسلم کہ برید و چنین بکنید۔ یک شانہ در سر ہر دو کردند بعد چند روز از یکدگر جدا شدند

۹۔ شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آمدہ است کہ دو رکعت نماز در اول شب ماہ ذی الحجہ بگزارد و در رکعت اول فاتحہ یکبار و سہ آیت از سورۂ انعام و در رکعت دوم فاتحہ یکبار و قل یا ایہا الکفرون یکبار بخواند۔ حق سبحانہ تعالی ثواب حج کنندگان در نامہ اعمال بنویسد

۱۰۔ و ہم درین محل فرمود کہ از وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ آمدہ است کہ حق سبحانہ تعالی ہدیہ فرستاد بر مہتر موسی علیہ السلام مہتر جبرئیل ہدیہ آورد و گفت اے موسی ہر کہ در ایام عشرہ ذی الحجہ درین دہ روز این کلمات بگوید چنانست کہ دوازدہ ہزار بار توریت خواندہ باشد۔ و گویند این کلمات را دہ ہزار نیکی در نامہ اعمال بنویسند و دہ ہزار بدی دور کنند و ہزار فرشتہ صلوات گویند و عمل او از اہل زمین فاضل تر باشد۔

اسکے بعد شیخ الاسلام نے دو صفحون مین بعض کلمات کے پڑھنے سے ایسی ایسی نیکیون کا ملنا ظاہر کیا ہے کہ عقل حیران ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے "شیخ الاسلام قدس سرہ بر لفظ مبارک راند کہ در عوارف شیخ الاسلام شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز بروایت حنفیہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالی نوشتہ دیدم

کہ این کلمات در انجیل منزل بود از آسمان - تا بینا از برکت این بینا می شود و نور می آبنید کہ از آسمان فرود می آید

"افسوس کہ وہ انجیل سوائے فقیہ ابو للیث کے کسی کی نظر سے نہیں گزری جس کو سوائے اپنی بدبختی اور کور بینی کے اور کیا کہا جا سکتا ہے)۔

۱۱- روزے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نشستہ بودند وصحابہ رضی اللہ عنہ گرد برگرد - ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ طرف راست بود - جوانے بیاید وسلام کرد - خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمان داد کہ بالاتر ابوبکر صدیق بنشین - ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ متامل شد - یاران دانستند مگر ہمتر جبرئیل علیہ السلام است وگرنہ ہیچ یارے را محل آن نباشد کہ بالاتر از ابوبکر رضی اللہ عنہ بنشیند - مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم روے مبارک سوے ابوبکر صدیق کرد وگفت این مردے است آنقدر درود بر من میفرستد کہ ہیچ کس نمی تواند فرستاد - ابوبکر رضی اللہ عنہ گفت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بگو این جوان آب وطعام نمی خورد و بہ ہیچ مصلحت دیگر مشغول نمی شود بجز درود مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم - فرمود کہ طعام وشراب نیز می خورد ومصالح خود مشغول می شود اما یکبار درود روز ویک بارہ شب بر من این درود میفرستد ہم بطریق بالا۔

اللہ اکبر - کتنا زبردست عمل علوی ہے - اور اسپر بھی اگر کوئی شخص ابوبکر صدیق سے نہ بڑھ جائے تو اسکی بدبختی پر افسوس کرنا چاہیے۔

۱۲- وسخن در آیۃ الکرسی افتادہ بود - بر لفظ مبارک راند آن روز کہ آیۃ الکرسی نازل شد ہفتاد ہزار فرشتہ مقرب گرد برگرد کرسی میا شند برابر مہتر جبرئیل علیہ السلام در خدمت حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم فرود آمدند وگفتند - یستان پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم با ہزار اعزاز واکرام بستاند بر سر ودیدہ نہاد - جبرئیل گفت یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرمان می شود کہ ہران بندہ از بندگان سورہ آیۃ الکرسی کہ مقرر ست بخواند بر ہر حرفے کی در این آیۃ ہست - پس بہر حرف ہزار سالہ ثواب بنام او ثبت فرماید وہزار فرشتہ گرد بر کرسی اند خوانندہ این را ہزار ثواب ایشان بدہند واورا از مقربان خود گرداند - بعد ازان شیخ الاسلام ہم در این محل فرمود کہ در فتاوی ظہیری نوشتہ است کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نوشتہ است کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ است ہر کہ آیت کرسی بخواند واز خانہ برآید - حضرت عزت فرمان دہد ہفتاد ہزار فرشتہ را تا آن زمان کہ آن بندہ باز آید برائے او آمرزش خوانند - اسکے بعد بحوالہ شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی اور جامع الحکایات آیات الکرسی کے اور بھی طلسماتی اثرات گنائے گئے ہیں۔

۱۳- بعد ازان فرمود کہ وقتے امیر المومنین کرم اللہ وجہ در جنگ غول بیابانی ماندہ بود وبجان رسیدہ بر رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکتوب نوشت کہ حملہ حیلہا کردم وآنچہ شرط جنگ است بجا آوردم چون این مکتوب بحضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم آمد از حد دل تنگ شد - در حال جبرئیل علیہ السلام این آیۃ آورد - "ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ

الظالم اہلہا تا آخرہ" و این آیۃ را بہ علی بفرست تا آن را ملازمت نماید حق تعالی از برکت این آیہ مظفر و منصور گردانید رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمین آیت و تفسیر آن بر شاہ مردان علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہ فرستادہ شاد شد۔ و این آیۃ را ملازمت نمود۔ ودم روز جنگ کرد۔ آن غول را زندہ گرفت و در مدینہ آورد۔ اما این فتح از برکت این آیۃ بود۔

(کمان ہین جناب واقدی رحمۃ اللہ علیہ جنھون نے اس کا تذکرہ نہین کیا)

۱۴- در حدیث آمدہ است "من صام یوم عاشورا فکانما صام الدہر"۔ یعنی ہر کہ روز عاشورا را روزہ بدارد و بدرستی و راستی، تمام سال روزہ داشتہ باشد۔ آنگاہ ہم درین محل فرمود کہ در روزہ عاشورا آ ہوان دشتی بدستی خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرزندان خود را شیر نمی دہند پس چرا باشد کہ روزہ را نگاہ ندارند۔

(کتاب کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونون بزرگون کو مغالطہ تھا کہ یوم عاشورا کا روزہ امام حسین کی یاد مین رکھا جاتا ہے۔ اگر یہ بزرگ بخاری کو پڑھ لیتے تو یہ غلط فہمی رفع ہو جاتی)

۱۵- ہم درین محل فرمود کہ وقتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم با جمیع صحابۂ کبار نشستہ بود۔ حضرت معاویہ یزید پلید را بر کتف سوار کردہ میرفت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبسم کرد و گفت سبحان اللہ دوزخی بر کتف بہشتی سوار میرود۔ این سخن امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ بشنید از آن حال پرسید کہ یا رسول اللہ پسر معاویہ است دوزخی از کجا است گفت یا علی این یزید بدبخت کسے ست کہ حسن و حسین و تمامی آل مرا بہ شہادت رساند و بکشد۔ علی برخاست و تیغ از نیام برکشید تا ایشان را بہ کشد۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانع شد کہ یا علی مکن کہ تقدیر خدائے تعالی برین رفتہ است۔ علی بگریست یا رسول اللہ شما بر سر باشید فرمودنے۔ گفت از یاران کسے باشد۔ گفت نے۔ گفت فاطمہ باشد فرمودنے۔ گفت یا رسول اللہ ماتم غریبان من کہ خواہد داشت گفت امثال من۔ بعد ازان علی رضی اللہ عنہ و رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہر دو بگریستند و شاہزادگان را در کنار گرفتند و نعرہ زدند کہ اے غریبان نمیدانیم کہ حال شما در ان دشت چگونہ خواہد بود

۱۶- فرمود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از جبرئیل علیہ السلام این حکایت پرسید چون از ما کسے نباشد تعزیت ایشان (یعنی امام حسین) کہ دارد گفت یا رسول اللہ امتیان تو از برائے فرزندان تو تعزیتہا کنند (یہ ہے جواز تعزیہ داری کا، ہمارے علما بکتے ہین جو اسکے خلاف فتوی دے رہے ہین) و ماتم دارند کہ حقیقت آن بر زبان نیاید و شرح نتوان کرد (ایران کا ماتم تلوارون و زنجیرون سے دیکھنے کے بعد اسکی شرح بیان کیجا سکتی ہے)

۱۷- حکایت در ماہ صفر ختم اللہ بالخیر و الظفر افتادہ بود۔ بر لفظ مبارک راند گران ماہے وصعب شہرے ست زیرا چہ چون ماہ صفر بودے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنگدل شدے و چون بیرون آمدے شاد گشتے۔ این تغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از سبب گرانی ماہ صفر بودے و از حد گران ست۔ بعد ازان ہم درین محل فرمود کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم میفرمایند ہر کہ بگزشتن ماہ صفر بشارت دہد بہ من اورا بشارت دہم بدر آمدن بہشت کما قال علیہ السلام۔ من بشرنی بخروج الصفرا بشرہ بدخول الجنۃ بعد ازین ہم درین محل فرمود حق تعالی در ہر سال وہ لک وہشتاد ہزار بلا از آسمان منزل میکند الا درین ماہ نہ لک وبست ہزار بلا فرد می آید"

الغرض اس قسم کی لغو روایات سے یہ کتاب بھری پڑی ہے۔

ہمارے ملا علی قاری نے جنکے متعلق کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے اور کہاں دفن ہوئے کیسی خدا لگتی بات کہی ہے کہ

"جو اسرائیلیات مین نظر رکھتے تھے (جیسے عبد اللہ بن سلام و عبد اللہ بن عمرو انکو یرموک سے بہت سی کتابین اہل کتاب کی دستیاب ہوئین تو وہ لوگ ان کتابون سے امور غیب (احوال قیامت) وغیرہ روایت کرتے تھے اور اس انداز سے گویا خود رسول اللہ نے ان سے بیان کیا ہے"

ایک اور دوسرے بزرگ نے نخبۃ الفکر کا حاشیہ لکھا ہے انکا نام ابو الامداد ابراہیم ہے۔ لکھتے ہین۔

"بنی اسرائیل کے واقعات ماخوذ کرنے والے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی تھے اور جو اصحاب بنی اسرائیل کے قصے بیان کیا کرتے تھے وہ عبد اللہ بن سلام اور عبد اللہ بن عمرو بن عاص تھے جب شام کا ملک فتح ہوا تب کچھ اونٹ یہود و نصاری کی کتابین لائے عمرو بن عباس انھین کتابون سے روایات بیان کیا کرتے اس لئے ان کی حدیثین کم ہین اور اخبار و قصص بنی اسرائیل بہت زیادہ ہین"

اسی طرح حافظ ابن کثیر کا قول ہے "کان ابن عباس تلقاہ من الاسرائیلیات" اور نخبۃ الفکر مین بھی حافظ ابن حجر سے ہے "یاخذ من کلام غیرہ کبعض السلف الصالح او قدماء الحکماء او الاسرائیلیات (یعنی اور کبھی ابن عباس لے لیا کرتے تھے دوسرون کے کلام، سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جیسے بعضے سلف صالحین کی باتین، یا قدیم زمانے کے حکما، یا بنی اسرائیل کے واقعات)۔ اور ابوہریرہ کے متعلق تو صاف یہ کہدیا گیا کہ براہ راست رسول سے کوئی بات انکو پہنچ ہی نہ سکتی تھی۔ مگر نخبۃ الفکر کو کیون لیا جائے۔ خود بخاری کی یہ حدیث پتہ دے رہی ہے کہ ہماری اکثر روایات کا ماخذ کیا تھا۔

عن عبد اللہ ابن عمر قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلغوعنی ولو آیۃ وحدثوا عن بنی اسرائیل

میری تبلیغ کردہ بات پہنچا دو خواہ وہ ایک آیت ہی ہو اور بنی اسرائیل سے واقعات بیان کیا کرو

یہ تو حدیث کی پہلی اسناد کا حال تھا۔ مگر حدیثین بعد کو جس طرح وضع کی گئی ہین، وہ بھی ملاحظہ ہو۔ ندریب الراوی کے جا بجا اقتباسات بیان نقل کئے جاتے ہین اور مین خود ان پر کوئی حاشیہ آرائی نہین کرنا چاہتا۔

۱- امام بخاری تاریخ الاوسط مین ارقام فرماتے ہین کہ مین نے علی الشکری کے واسطہ سے سنا ہے کہ علی بن جریر فرماتے ہین کہ

عمر بن صبیح کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ خود وضع کیا ہے۔

۲۔ حاکم نے ابی عمار المروزی سے نقل کیا ہے کہ ابی عصمت نوح بن ابی مریم سے کہا گیا کہ کیا بات ہے کہ تم عکرمہ سے اور وہ ابن عباس سے قرآن مجید کے سورتوں کے جو فضائل بیان کرتے ہو یہ فضائل عکرمہ کے شاگرد بیان نہیں کرتے ان حضرت نے جواب دیا کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ قرآن مجید سے بے پرواہی کرتے ہوئے ابو حنیفہ کی فقہ اور ابن اسحاق کی مغازی میں لگے رہتے ہیں۔ پس میں نے اس حدیث کو اس لئے وضع کر دیا۔

۳۔ ابن حبان نے اپنے صعفا میں ابن مہدی سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے میسرہ بن عبد ربہ سے دریافت کیا کہ تم یہ حدیث کہاں سے لاتے ہو کہ جو اسکو اس طرح سے پڑھتا ہے۔ اسکے لئے جنت ہے اور جنت ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ان حدیثوں کو اس لئے وضع کیا کہ لوگ اس میں رغبت کریں اور جو ہوشیار لڑکے ہیں وہ زہد اختیار کرتے ہوئے شہوات دنیا اور بغداد کے بازاروں میں گھومنا اپنی موت کے ڈر سے چھوڑ دیں

۴۔ ابن اسمٰعیل سے مروی ہے کہ مجھکو ایک شیخ نے ابی بن کعب سے قرآن مجید کی تمام سورتوں کے فضائل مرفوعاً روایت کئے۔ میں نے شیخ صاحب سے دریافت کیا کہ آپ سے یہ حدیث کس نے بیان کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک مدائن کے شخص نے روایت کی ہے جو ابھی زندہ ہے۔ پھر میں انکے پاس آیا اور ان سے دریافت کیا کہ آپ سے یہ حدیث کس نے بیان کی ہے۔ انھوں نے کہا کہ واسط کے ایک شیخ نے بیان کی ہے جو ابھی زندہ ہے پھر میں انکے پاس آیا اور ان سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ مجکو بصرہ کے ایک شیخ سے موصول ہوئی ہے میں انکے پاس بصرے میں آیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجکو عبادان کے ایک شیخ سے موصول ہوئی ہے جو ابھی زندہ ہیں میں انکے پاس آیا تو وہ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک گھر میں لیگئے پس دیکھا کہ اس میں بہت صوفی اور عارف باللہ موجود ہیں۔ اور انکے ساتھ ایک شیخ ہے پس انھی نے کہا کہ مجکو ان شیخ صاحب سے حدیث پہونچی۔ میں نے شیخ صاحب سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے اس حدیث کو کسی نے نہیں بیان کیا اصل بات یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ لوگوں کو قرآن سے بے رغبتی ہوگئی ہے لہذا میں نے اس حدیث کو خود بنا لیا۔

۵۔ بدعتیوں کی ایک جماعت جو محمد بن کرام سجستانی کی طرف منسوب ہے اور اسی لئے اس جماعت کو کرامیہ کہتے ہیں۔ اسی جماعت سے تعلق خواجہ معین الدین چشتی کا تھا ترغیب اور ترہیب میں جھوٹی حدیثیں وضع کرنا اپنے خیال میں جائز تصور کرتی تھی۔ چنانچہ وہ ثواب و عذاب میں لوگوں کو طاعت کے لئے ترغیب دینے اور گناہوں سے بچانے کی غرض سے بالکل جھوٹی حدیثیں بنایا کرتے تھے

۶۔ ابوداؤد نخعی باوجود قائم اللیل اور صائم الدہر ہونے کے جھوٹی حدیثیں بنایا کرتے تھے۔

۷۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ ابو بشر احمد بن محمد ..... المروزی باوجود اپنے زمانے میں حامی سنت ہونے کے جھوٹی حدیثیں بنا لیا کرتے تھے

۸- ابن عدی نے کہا ہے کہ وہب بن حفص ایسے بڑے بزرگ تھے کہ کسی سے کلام نہین کرتے تھے باوجود اسکے۔ کان یکذب کذباً فاحشاً۔

۹- محمد بن سعید مصلوب کا بیان ہے۔ "لا باس اذا کان کلام حسن ان نضع له الاسناد" یعنی جب کوئی کلام اچھا ہو تو اسکے لئے سند وضع کرنے مین کیا مضائقہ ہے۔

۱۰- بعض اہل الرائے کا قول ہے جس مین ایک قرطبی بھی ہین۔ "ما وافق القیاس الجلی جاز ان یعزا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی جب قیاس جلی موافق ہو جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا جائز ہے۔

۱۱- حاکم نے ہارون سے اور انہون نے ابی عبید اللہ سے اور انہون نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ خلیفہ المہدی عباس کا بیان ہے کہ مجھ سے مقاتل بن سلیمان نے کہا "ان شئت وضعت لک الحدیث" اگر چاہے تو مین تیرے لئے حدیث وضع کر دون۔ مہدی نے جواب دیا کہ مجکو اسکی ضرورت نہین۔

۱۲- ابو سعید مدائنی وغیرہ کا یہی پیشہ تھا کہ موضوع قصے بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا کرتے تھے۔

۱۳- حاکم نے کہا ہے کہ محمد بن القاسم "کان یضع الحدیث علی مذہبہم" یعنی وہ اپنے مذہب کے موافق حدیثین وضع کر لیا کرتا تھا۔

۱۴- ابن حبان نے کتاب الضعفا مین عبد اللہ بن یزید کی نسبت بیان کیا کہ ایک بدعتی شخص اپنی بدعت سے جب تائب ہوا تو کہنے لگا کہ اس حدیث کو دیکھو تم اس شخص سے لیتے ہو۔ حالانکہ جب ہم کوئی چیز دیکھتے ہین۔ "جعلنا له حدیثا" انہی کے لئے حدیثین وضع کر لیا کرتے تھے۔

۱۵- حاکم نے المحامی سے نقل کیا ہے کہ مین نے ابو العنیا کو یہ کہتے ہوے سنا کہ مین نے بعض احادیث وضع کر کے بغداد کے بہت سے شیوخ کے سامنے پیش کین تو بجز ابن ابی شیبہ علوی کے باقی سب نے قبول کر لین۔

۱۶- معمر نے جو ابن ابی عوجہ کا بھتیجا تھا اپنی کتاب مین درج کیا۔ یعنی ہم نے زہری سے اور انہون نے عبید اللہ بن عبد اللہ سے اور انھون نے ابن عباس سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہین کہ حضرت نے علی کی طرف نظر کر کے فرمایا کہ تو دنیا اور آخرت مین سید ہے جو شخص تجکو دوست رکھے اسنے مجکو دوست رکھا اور جس نے مجھے دوست رکھا وہ اللہ کا دوست ہے اور جس نے مجھ سے دشمنی رکھی وہ میرا دشمن ہے اور جو میرا دشمن ہے وہ اللہ کا دشمن ہے۔ پس خرابی ہے اسکے لئے جو میرے بعد تجھ سے بغض رکھے۔

پس اس حدیث کو عبد الرزاق نے اور انہون نے معمر سے نقل کیا ہے۔ حالانکہ یہ حدیث باطل اور موضوع ہے جیسا کہ اسکی نسبت یحییٰ ابن معین نے فرمایا ہے۔

۱۷- خطیب بغدادی نے اپنی سند سے حماد بن سلمہ سے روایت کیا ہے کہ مجھے ایک شیخ کے ذریعے سے خبر ملی کہ وہ حدیث کے وضع کرنے

کے لئے کیٹیان کیا کرتے تھے۔

۱۸- میسرہ بن عبد ربہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی فضیلت مین ستر حدیثین وضع کین

۱۹- مامون بن احمد ہردی سے کہا گیا کیا تونے شافعی کو نہین دیکھا اور انکو جو خراسان مین انکے متبعین ہین تو اس نے کہا کہ ہم سے احمد بن عبد البر نے اور ان سے عبد اللہ بن معدان الازدی نے انس سے مرفوعاً حدیث روایت کی ہے کہ میری امت مین ایک شخص ہوگا جسکو محمد بن ادریس کہینگے وہ میری امت کو شیطان سے زیادہ نقصان پہونچائے گا۔ اور ایک شخص میری امت ہی میں ہوگا کہ جسکو ابو حنیفہ کہین گے وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔

۲۰- عقیلی نے معاذ بن زیاد کی طرف منسوب کرتے ہوئے بیان کیا یعنی وہ فرماتے ہین۔ کہ "وضعت الزنادقۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعۃ عشرۃ الف حدیث منہ عبد الکریم من العوجاء" یعنی فرقہ زنادیق نے آنحضرت صلعم کی طرف سے چودہ ہزار حدیثین وضع کرکے منسوب کی ہین ان مین سے ایک عبد الکریم بن ابی عوجاء ہے (یہ وہی ہے جس نے اپنے قتل کے وقت اقرار کیا تھا کہ خود اس نے چار ہزار حدیثین ایسی بنائی ہین۔ جن مین حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا ہے)۔

۲۱- نسائی نے کہا ہے کہ ابن ابی یحیی جو مدینہ مین تھے اور واقدی جو بغداد مین تھے اور مقاتل بن سلیمان جو خراسان مین تھے اور محمد بن سعید صلوب جو شام مین تھے حدیث وضع کرنیوالے کذاب مشہور تھے۔

ایک طرف حدیثون کا یہ حال تھا۔ اور دوسری طرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے فاطمہ بنت قیس صحابیہ حاضر ہوکر حلفیہ بیان کرتی ہے کہ بقول رسول اللہ تین طلاق والی عورت کے خور و نوش و اقامت کے صرفہ کا خاوند ذمہ دار نہین۔ اور حضرت عمر فاروق فرماتے ہین کہ مین قرآن مجید کے حکم کو ایک عورت کی روایت سے چھوڑ نہین سکتا کہ جس کے اندر جھوٹ اور سچ دونون کا احتمال ہے۔ اسی طرح مسلم کی روایت ہے۔

ان ناسا یحدثون من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال عثمان لا ادری ما ھی۔ عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت مین لوگون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی۔ آپ نے کہا مین اس حدیث کو قبول نہین کرتا۔

ذہبی نے اپنے تذکرۃ الحفاظ مین لکھا ہے کہ ابراہیم نخعی بیان کرتے ہین کہ حضرت عمر نے اپنی خلافت مین ابن مسعود ابو درداء ابو مسعود انصاری کو اس جرم مین قید کیا تھا کہ انہون نے حدیث کی روایت کثرت سے کی تھی۔ اس طرح ابن عقبہ کا قول ہے کہ حضرت عمر نے ابی بن کعب کے پاس ایک جماعت بیٹھی ہوئی دیکھی۔ جس سے ابی بن کعب حدیث روایت کر رہے تھے حضرت عمر نے انپر کوڑا اٹھوایا ابی بن کعب نے کہا۔ عمر۔ دیکھ خدا تجھ پر رحم فرماوے کیا کرتا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ روایت کرنا تیرے لئے فتنہ اور سننے والون کے لئے عذاب ہے ابو ہریرہ سے لوگون نے پوچھا کہ کیا تم حضرت عمر کے زمانے مین بھی اس طرح حدیثین بیان کرتے انہوں نے کہا کہ میری درے سے خبر لیجاتی۔

"نقاد"

باب المراسلۃ والمناظرۃ

قمر منزل، کوچہ عاقل خاں۔
دھلی ۲۱ مارچ ۲۳ء

مولانا المحترم والمکرم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک مضمون ارسال خدمت ہے، آپکو یہ شکایت تو ہوگی کہ کسی حد تک آپ کو (MISREPRESENT) کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن امید ہے کہ یہ امر مضمون کی اشاعت میں مانع نہ ہوگا، دکھانا صرف یہ ہے کہ قدیم رسمی اسلام کے خلاف تعلیم یافتہ طبقہ میں جو جوش و خروش پھیل رہا ہے وہ دراصل تنگ خیال مولویوں اور کٹ ملاؤں کے ظلم و زیادتی کے خلاف رد عمل ہے۔ اور اس کے ذمہ دار تمام تر ملا صاحبان ہیں:۔

خاکسار **فضل حمید**

نیاز صاحب اور مولوی صاحبان

اللہ تعالیٰ نے مولویوں اور کٹ ملاؤں کو خلق کیا، اور مولویوں اور ملاؤں نے صدیوں کی متواتر کوششوں اور جد و جہد کے بعد نیاز صاحب کو پیدا کیا، معاذ اللہ! ہم خلق و ابداع کی الٰہی صفات سے مولوی اور ملا صاحبان کو متصف کرنے کی جرأت نہیں کرتے، کہنا صرف یہ ہے کہ معنوی طور پر اپنی تخلیق کے لئے نیاز صاحب انہیں حضرات کے مرہون منت ہیں، اب خواہ وہ اس شرف کو تسلیم کریں یا اس سے انکار۔ ہمیں نیاز صاحب کی مذہبیات و الٰہیات سے چند اصولی اختلافات ہیں، لیکن ہم یہ ضرور سمجھتے ہیں کہ نیاز صاحب اسلام کی ایک مفید اور عظیم الشان خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس خدمت کا تعلق اسلام سے صرف "طمانچہ برخسار مولوی" کی دلچسپ شکل میں ہے۔ سینٹ پال اور انکی معنوی ذریات نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا بنا دیا، اور خود بارگاہ خداوندی کے داروغہ اور عرش کے جمعدار بن بیٹھے، اب اگر ان بزرگواروں کی کوئی گت بنائے تو کیا وہ عیسائی مذہب پر احسان نہیں کر رہا ہے؟ عین ایمان۔ مولویوں نے کہا کہ سینما دیکھنا حرام۔ نیاز صاحب نے کہا کہ ثواب عظیم۔ مولویوں نے کہا کہ امام احمد بن حنبل کے بعد کوئی مجتہد نہیں ہو سکتا، نیاز صاحب نے کہا کہ ہر شخص اپنے میں پیغمبری کا امکان رکھتا ہے، مولویوں نے کہا کہ بلا واسطہ کوئی شخص خدا تک نہیں پہونچ سکتا، نیاز صاحب نے کہا کہ بلا واسطہ خدا تک پہنچنے کے کیا معنی، ہر شخص اگر کوشش کرے تو خود خدا ہو سکتا ہے، مولویوں نے کہا کہ بغیر خشک

اعمال صالحہ کے کوئی فرد بشر بہشت میں داخل نہیں ہو سکتا، نیاز صاحب نے کہا کہ بغیر معصیت لطیف، کے کوئی انسان نجات حاصل ہی نہیں کر سکتا۔ وقس علیٰ ھٰذا!

اگر ہم کسی معمولی انسان کو فرشتہ کہیں اور کوئی شخص ترکی بترکی پر عمل کر کے اس کو شیطان کہدے تو بتایئے کہ قصور کس کا ہے؟ مولویوں نے فروع کے منوانے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، نیاز صاحب کو اصول میں بھی تامل ہوا کہ درست یا نہیں، مولویوں نے ہر موضوع حدیث کو خواہ وہ عقل و انصاف کے کتنے ہی خلاف ہو بلا نقد و نظر کے قرآن کی آیت کا درجہ دے دیا۔ نیاز صاحب سرے سے نفس حدیث ہی کے منکر ہو گئے، اب گلہ کس سے کیا جائے، نیاز صاحب سے یا تنگ خیال ملاؤں، اور نفس پرست مولویوں سے؟ فطرت نے نیاز صاحب کو حق شناس دل عطا کیا تھا، خوف عقوبت و مواخذۂ حشر انکو ارتکاب معاصی سے باز نہیں رہ سکتا تھا، لیکن وہ طبع سلیم کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے، اُنکی ہدایت کے لئے انکی فطرت کا قانون کافی تھا، ان کے ضمیر کی روشنی انکو زندگی کے تیرہ و تار سفر میں مشعل کا کام دیتی تھی، وہ اس لئے بے راہرو نہیں ہوئے کہ انہیں منزل سے دور جا پڑنے کا ڈر تھا بلکہ اس لئے کہ وہ صراط مستقیم ہی کے ذریعہ اپنا مقصود کو پا سکتے تھے، اُنہوں نے اسی لئے حق پرستی نہیں کہ وہ جنت میں حور و قصور سے ہم آغوش ہوں، بلکہ اس لئے کہ حق آئینۂ حسن ہے اور حسن آئینۂ حق۔ لیکن ان سے غلطی یہ ہوئی کہ اُنہوں نے اپنے اوپر اہل دہر کا قیاس کر لیا، انکا طرز استدلال یہ ہے کہ، کیونکہ وہ خود نیک ہیں اور بغیر تعزیری قانون کے سلامت روی سے زندگی بسر کر سکتے ہیں لہذا تعزیری قانون کی عام انسانوں کو بھی ضرورت نہیں ہے۔

ایک نیاز صاحب کے نیک ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام ہندوستانی نیک ہیں اور تعزیرات ہند قابل منسوخی ہے، یا اگر نیاز صاحب اپنی ذات سے عورتوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے ہیں تو کیا صنف لطیف کو اپنے حقوق کے لئے جد و جہد چھوڑ دینی چاہیئے۔ یہ ہے ہماری رائے میں تفسیر اس تنازعہ کی جو مولانا نیاز فتحپوری، اور مولانا عبدالماجد بی۔ اے کے درمیان برپا ہے

(نگار) آپ کی تنقید جسے زیادہ اصطلاحی رنگ میں "تحقیق انیق" کہنا چاہیئے، یقیناً بڑی حد تک محل نظر تھی، اگر آپ کی مفسرانہ تحریر اس کے ساتھ نہ ہوتی، آپ نے خود تحریر فرمایا ہے کہ "کسی حد تک آپ کو (MISREPRESENT) کرنیکی کوشش کی گئی ہے" مدعا یہ کہ گرمیٔ سخن قایم رکھنے کے لئے آپ نے کہیں کہیں "تعبیرات غلط" سے کام لیا ہے، اور میرے مسلک کے ظاہر کرنے میں "انحراف و مبالغہ" بھی صرف فرمایا ہے ــــــ بہر حال مجھے آپ سے کیوں شکایت ہونے لگی، جب خود آپ نے اپنی تنقید کو اس طرح مضمحل بنا دیا اور جواب لکھنے کا بار بڑی حد تک میرے سر سے ہلکا کر دیا، تاہم چونکہ ذکر "مولوی" کا آگیا ہے، اس لئے میرے لئے ناممکن ہے کہ یونہی سرسری گزر جاؤں اور اپنے ہدایائے محبت "جمال سلمیٰ" کے حضور میں پیش نہ کر دوں۔

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا!

آپ نے ابتداء ہی میں یہ لکھ کر کہ "اللہ تعالیٰ نے مولویوں اور کٹ ملاؤں کو خلق کیا" حقیقتاً ایک اصولی بحث چھیڑ دی ہے اور گویا آپ نے ہر اس شخص کو جو کچھ بھی "تاریخ طبعی" (NATURAL HISTRY) سے دلچسپی رکھتا ہے دعوت دی ہے کہ خدا کی اس

عجیب وغریب "مخلوق" کی تاریخ خلق وآفرینش اور مدارج ارتقاء پر غور کرے، میں نے جہاں تک غور کیا ہے "مولوی" کے عالم وجود میں آنے کے متعلق متعدد نظریے قائم کئے جا سکتے ہیں، مثلاً:- یہ کہ اگر انسان واقعی مٹی سے بنایا گیا ہے تو ممکن ہے کہ اس کے بعض افراد کسی کنکریلی مٹی سے بن گئے ہوں یا ایسی مٹی سے جس میں عفونت وگندگی پیدا ہو گئی تھی یا ضرورت سے زیادہ اس کا خمیر ہو گیا تھا ——— یا یہ کہ جس طرح امراض جسم خاص خاص جراثیم سے پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح امراض روحانی کے لئے خدا اس جماعت کو مخصوص جراثیم پیدا کرنے کے لئے وجود میں لایا ہو ——— یا اگر ایک گستاخ فلسفی کے الفاظ میں "دنیا نام ہو صرف اس مفاہمت باہمی کا جو خدا اور شیطان کے درمیان کسی وقت ہو گئی تھی" تو پھر "مولوی" کو اگر "خدا کا کمزور پہلو" نہ کہا جائے تو شیطان کا "روشن رُخ" کہنے میں کس کو تامل ہو سکتا ہے ——— اس باب میں زیادہ منطق صرف کرنے کی ضرورت نہیں۔ پہلے اُس مفاہمت "دینی" کو سمجھ لیجئے کہ کیا ہو سکتی تھی۔ خدا کا منشاء یہ تھا کہ کائنات میں سوائے امن وسکون کے کچھ نہ ہو، شیطان کا یہ کہنا تھا کہ سوائے "فتنہ وفساد" کے وہاں کسی چیز کی ضرورت نہیں، آخر کار سمجھوتا یہ ہوا کہ ان دونوں کو ساتھ ساتھ رکھا جائے اور مخلوقات کو ایک حد تک اختیار دیدیا جائے کہ وہ ان میں سے جس کو چاہیں اختیار کریں۔ یا یہ کہ یزدانی واہرمنی دونوں قوتیں اپنے اپنے فرائض انجام دیں، اور انسانی چشم وبینش کو ان میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے کی فرصت دی جائے

میں بحث کے اس اسلوب سے ہٹ کر جب زیادہ سنجیدگی کے ساتھ غور کرتا ہوں اور تعلیمات الٰہی کو سامنے رکھتا ہوں تو مجھے اس وقت سے لیکر جب اول اول ابلیس نے انسان کی برتری کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، اور پھر بہکا کر "شجر ممنوعہ" کی طرف لے گیا تھا، اس وقت تک جتنے دور انسانیت پر فتنہ وفساد کے گذر چکے ہیں ان سب میں، انہیں حضرت کی جلوہ گری دیکھتا ہوں، البتہ فرق یہ ہے کہ زمانہ وماحول کے ساتھ اس کے "اسلوب" بدلتے رہے ہیں اور مختلف زمانوں میں مختلف صورتوں سے اس کا ظہور ہوتا رہا۔ مثلاً اول اول جب انسان بے انتہا سادہ واقع ہوا تھا، تو ان حضرت نے بھی نہایت سادگی سے بغیر کسی اہتمام کے حوّا سے کہدیا کہ "یہ پھل کھاؤ" اونہوں نے کھا لیا اور آخر کار یہ پہلا انسانی جوڑا عدن سے نکالدیا گیا، ہر چند شیطان کی یہ پہلی اساس کامیابی تھی لیکن اس میں چند منٹ سے زیادہ صرف نہ ہوئے ہوں گے، اس کے بعد جب عقول انسانی میں ترقی ہوئی، اور علوم وفنون کا زمانہ آیا تو اس نے "مسند علم" پر بیٹھ کر، اپنے علم ہی کے ذریعہ سے برسوں کی عرقریزی سے لوگوں کو بہکایا، اور اب جو زمانہ اجتماعی طور پر کام کرنے کا آیا ہے، تو یہ انجمنیں بنا بنا کر گمراہ کرتا ہے ——— اگر آپ سورۂ اعراف کا دوسرا رکوع ملاحظہ فرمائیں گے تو اس کی مکمل تاریخ آپ کے سامنے آجائے گی اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کی صحت سے آپ کو انکار نہ ہو سکے گا ——— اسلئے میرے نزدیک اس کا تعلق نہ کسی مخصوص لباس ووضع سے ہے، نہ کسی مخصوص درس تعلیم سے، بلکہ اس کو صرف ہم اس کے کارناموں سے پہچانتے ہیں، اس کے اخلاق سے جانتے ہیں، اور اس کے اُن ارشادات وہدایات سے جن میں سوائے گمراہ کر دینے کے اور صلاحیت موجود نہیں ہے ——— معاف فرمائیے ..... اگر میں اس جگہ بطور "دفع دخل" یہ امر واضح کر دوں کہ میری مراد مولوی سے صرف وہ جماعت ہے جو صرف اپنے حرکات کے لحاظ سے "ذریات شیطان" کہلانے کی مستحق ہے، اس لئے اس میں

جس طرح مصر کا جامع ازہر، ہندوستان کا دیوبند شامل ہو سکتا ہے، اسی طرح علیگڈھ کی مسلم یونیورسٹی بھی خارج نہیں ہو سکتی۔ اور اس میں وہ نفوس شامل سمجھے جائیں گے جو صحیح تعلیم اسلامی سے لوگوں کو منحرف کرتے ہیں، خواہ وہ عمامہ وقبا میں ظاہر ہوں یا کوٹ پتلون میں ——— اب یہ اور بات ہے کہ چونکہ انسان کو دھوکہ ہمیشہ عمامہ وقبا، عبا وجبہ، تسبیح وحمائل ہی کے ذریعہ سے دیا جاتا ہے، اس لئے ہم مولوی کی صوری ومعنوی دونوں حیثیتوں کو کسی جماعت میں دیکھ کر ایک کلیہ بنانے پر مجبور ہوں۔

آپ "میری مذہبیات والہیات سے چند اصولی اختلاف" رکھنے کے باوجود بھی مجھے اسلام کی "مفید اور اہم بالشان خدمت" انجام دینے والا سمجھتے ہیں ——— خیر میں اس باب میں کچھ نہیں کہتا، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اگر کسی مولوی نے جواب دینے کا قصد کیا تو آپ کے ان الفاظ کے ظاہری تضاد پر وہ اسی طرح ایک مکمل منطقی رسالہ لکھ ماریگا، جس طرح آمین بالجہر یا رفع یدین کے باب میں وہ دفتر کے دفتر سیاہ کر کے رکھ دیتا ہے، یا التحیات میں انگلی نہ اٹھانے والے کی تکفیر میں کتاب کی کتاب تصنیف کر ڈالتا ہے۔

اس کے بعد آپ کے وہ "مغالطات" شروع ہوتے ہیں جن کی طرف آپ نے اپنے خط میں اشارہ کیا ہے، اس لئے مجھے تردید کرنے کی ضرورت نہیں ——— ابھی تو نہیں، لیکن اگر جنگ کی نوعیت یہی رہی تو ممکن ہے آئندہ کوئی ایسی ہستی بھی پیدا ہو جائے جو آپ کے "منسوبات" کے لحاظ سے اس تنقید کی مستحق ہو۔ اور اگر آپ برہم نہ ہوں تو میں اپنے دل کے اس خدشہ کو بھی ظاہر کر دوں کہ "کہیں یہ خود سرکار ہی نہ ہوں"۔ اگر یہ صحیح ہے تو اور کچھ سمجھائیے یا نہ سمجھائیے لیکن خدا کے لئے اس "معیت لطیف" کی تفسیر ضرور کر دیجئے کہ اس کے ذکر سے میرے "ضربات نبض" کا بھی شمار بڑھنے لگتا ہے۔

آپ نے ایک جگہ بہت زیادہ حسن ظن سے کام لیکر میرے نیک ہونے پر بھی حکم لگایا ہے، حالانکہ میری تمام تر تحقیق اس سلسلہ میں اس سے آگے نہیں بڑھ سکی کہ "بد نہیں ہوں" ——— اگر بد نہ ہونے کا لازمی منطقی نتیجہ نیک ہونا ہے، تو ہم آپ دونوں مجبور ہیں اور کسی نہ کسی طرح اس نیکی کے "اتہام" کو تسلیم ہی کرنا پڑے گا، ورنہ حقیقتاً میرا مسلک سامان واسباب کے لحاظ سے

شاہد وشعر ست وشراب وشکر

سے زیادہ کچھ نہیں، اور غایت ونتیجہ کی حیثیت سے صرف

گرم شد ومست شد وشاد شد

جس کے بعد صرف ایک ہی درجہ طے کرنے کو رہ جاتا ہے جسے "اللہ بس باقی ہوس" کہتے ہیں۔

اخیر میں سب سے زیادہ ستم آپ نے یہ کیا کہ میرا اور مولانا عبدالماجد بی۔ اے کا نام ایک ہی سانس میں لے لیا، حالانکہ مجھے ان سے کیا نسبت ہو سکتی ہے، وہ عالم اجل، میں جاہل ازل۔ وہ طبیب، میں وکیل، ان کا یہ عالم کہ "کان اولاً فیلسوفاً ثم صار صوفیاً متوجہاً" اور میں غریب آج تک یہی نہیں سمجھ سکا کہ فلسفی ہونے کے بعد جب انسان صوفی بنتا ہے تو وہ "وہابی صوفی" کیسے ہو جاتا ہے، اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ حج کر آئے ہیں عتبات عالیات کی زیارت سے مشرف ہو آئے ہیں، اور میں اس ارادہ سے حیدرآباد سے آگے نہیں بڑھ سکا، کم از کم آپ نے اسکا تو خیال کیا ہوتا :— مرد خدا، ایں چہ خدا دشمنی ست!

(۳)

خیرآباد - ۱۵ مئی سنہ ۳۰ء

محترمی نگار آتشیں آیا مگر سادہ لوح بنکر صورت پکار اٹھی "پردۂ زنگاری" میں جلوہ گر رہنے والا آگیا

اے آمدنت باعث آبادی ما

دکن کے متعلق جو کچھ لکھا اور جس طرح لکھا آپ کا حصہ ہے، ادائے بیان پر یہ خداداد قدرت کسی سحرکار نگار کے بس کی بات نہیں "سرزمین دکن کی ایک دلنواز" یہ عنوان یہیں ختم ہو جانا چاہیے تھا، نہ شام کی ضرورت تھی نہ شب کی، مجھ حسرت نصیب کو اپنا اک شعر یاد آگیا

وہ رات مزے کی ہے جو ہو بات مزے کی — کلکتہ میں گذری نہ کوئی رات مزے کی

کاش آپ کے ساتھ دکن ہی میں اک رات ایسی نصیب ہو جاتی، پیری شباب سے بدل جاتی، ایک بوتل میں سب کچھ ہو سکتا تھا ؎

یہ کالی کالی بوتلیں جو ہیں شراب کی — راتیں ہیں ان میں بند ہمارے شباب کی (ریاض)

جس دلنواز کا خیال ہے اُسے ہمارا حصہ ہونا چاہیے تھا، سامعہ نوازی کے لئے بھی دلنوازی کے لئے بھی - ایک حد تک نگار نے تصویر کھینچدی اس کی ضرورت نہ رہی ؎

ہماری آنکھوں میں آؤ تو ہم دکھائیں تمھیں — ادا تمہاری جو تم بھی کہو کہ ہاں کچھ ہے (ریاض)

ادائے بیان کی محویت نے تصور ہی میں سب سامان یاران دورافتادہ کے لئے مہیا کر دیا اور دیکھنے کا موقع نہ رہا ؎

بھر بھر کے جام بزم میں چھلکائے جاتے ہیں — ہم اُن میں ہیں جو دور سے ترسائے جاتے ہیں (ریاض)

حضور صدر المہام کا لطف صحبت بھی خزاں دیدہ ریاض کو نگاروں پر لٹا دینے والا ہے، جوانی کی طرح وہ راتیں بھی یاد آئیں جب مہاراجہ بالقابہ صدر اعظم کے دولتکدہ پر آنجہانی سرشار کو مہمان نوازی کی خدمت سپرد تھی - دکن میں آپ نے ہماری جگہ لی اور سرشار کی جگہ ہوش نے، ہوش کا نام لیتے ہی داغ کا شعر یاد آگیا -

پھر دل ما قابو میں نہ میرا دل ناشاد آیا — وہ مرا بھولنے والا جو مجھے یاد آیا

میں لکھنؤ گیا آپ دکن میں تھے امتیاز صاحب جیل میں، میں دونوں کے پاس تھا، مگر بظاہر شباب رفتہ کی طرح دور یہ بھی حسن بخت کس ماحول میں کس طرح میری زندگی بسر ہو رہی ہے ؎

کٹ گئے دن بڑے بھلے اپنے — یہ بھی اتنی گذر ہی جائے گی (ریاض)

ماہ مبارک کے آغاز میں کہا تھا ؎

بن کے مہمان ایک دن رند، روزہ دار آنے کو ہے — شام ہونے کو ہے میرے گھر اُدھار آنے کو ہے (ریاض)

۲۰ شوال کا مضمون شعر میں نہیں ادا ہو سکتا مگر یکم شوال کو کہنا پڑا تھا ؎

میکدے میں عید مجھ مفلس کی ہو جائے ریاض — دے کے اک چلو کوئی تیس روزوں کا ثواب (ریاض)

۷ شوال کا مضمون شعر میں سنئے، میں باہر ٹہل رہا تھا، اندر سے پیام آیا ہسپتال کی دائی کو بلوا دیجئے، آدمی گیا دائی کے بدلے لیڈی ڈاکٹر آئی ایک گھنٹے کے بعد وہ بکستی باہر نکلی۔ ڈبل فیس۔ یک نشد دو شد بھائی بہن توام مبارک، تانگے کا کرایہ بدقت دیا، اور فیس کیلئے جھوٹے وعدے کرنا پڑے، ۶

کرمی رنگوں سے اور گھر میں بھونی بھانگ نہیں

بچوں کی تعداد بفضلہ ایک ویر نصف درجن، مجھے دیکھئے میری عمر دیکھئے۔

اس شیخ کہن سال کی اللہ رے بزرگی جنت میں بھی یہ جا کے جواں ہو نہیں سکتا! (ریاض)

میں خوش ہوں آپ دکن سے خوش آئے، مجھے بھی خوش رکھئے، مگر میں کیا خوش رہ سکتا ہوں جب امتیاز جیل میں ہیں، گھر میں اور بچوں کو دعا کہئے، آسی کو بہت بہت سلام، جلد آکر ملوں گا۔ ریاض

نگار) آج آپ پہلے شخص ہیں، جن کے منھ سے "واپسی دکن" کی مبارکباد سن رہا ہوں ——— اور تو اور حیرت یہ ہو کہ مجھے ان "صورتوں" نے بھی نہ پوچھا، جو میرے نام بڑے بڑے "ناما ہائے فراق" بھیج رہی تھیں۔ اور (ظفرکی مسلسل غزل کیطرح) پوچھنا کیسا، بات تک نہ کی!

گھونگٹ کی اوٹ سے بھی نظر پھر ی ہوئی

اس کو آپ جو چاہے کہئے لیکن میں تو اس کو اپنی مکانکی (MECHANC) زندگی کا "منطقی نتیجہ" سمجھتا ہوں۔ یاد رکھیے، کبھی کبھی مجھے ان "نفوس سادہ" پر رشک آنے لگتا ہے، جو فردا کی امید میں "امروز" کی "تلخ کامیاں" برداشت کر رہے ہیں ——— حور و قصور، کوثر و سلسبیل حقیقت کے لحاظ سے "طلسم ہوشربا" سہی، لیکن "رعنائی خیال" سے تو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔

میری بدنصیبی دیکھئے کہ زندگی کی کلفتوں میں تو سب کے ساتھ برابر کا شریک، لیکن راحت کے باب میں، مولویوں کی طرح "سراب" سے بھی فائدہ اٹھانا میری قسمت میں نہیں ——— اس ذکر سے یہ مقصود نہیں کہ آپ مجھے بھی اس عالم میں بلائیں جہاں آپ کی ساری دنیا زندگی بسر کر رہی ہے ——— "در چشم خیال تو جہاں محمل لیلیٰ" درست سہی، لیکن اس کا کیا علاج کہ "مجنوں لیلیٰ را بہ محمل کا نہ سیت" ——— میں جس دور سے گذر رہا ہوں، وہ یہ ہے، یہ؟ "اصطلاحی لوگوں نے اس کو "اول ما آخر ہر منتہی" بھی کہا ہے ——— میں نے اس کا ابھی تک کوئی نام نہیں تجویز کیا، "کبریائی" کیسا رہے گا؟ مفہوم تو اس سے کچھ ادا ہو جاتا ہے گو پوری طرح نہیں!

معاف فرمائیے گا جواب دے رہا تھا آپ کے محبت نامہ کا اور سامنے آگئیں "ریاض شوخ پارسا[1]" کی "پاک میخواریاں" ——— "بہک جانے" کی کوشش میں، بہت سے گم شدہ حواس بھی واپس آگئے۔ معلوم نہیں یہ آپ کی "کرامت" ہے یا میرا "معجزہ"!

---

[1] "شوخ و پارسا" حرف عطف کے ساتھ نہیں۔

آپ تو "اپنی" ہی سی کہیں گے !!

"سرزمین دکن کی ایک دلنوازی ——" کے بعد نہ شام کی ضرورت تھی نہ شب کی —— درست ہے، مدعا یہ کہ "الزام" کو اور زیادہ سنگین بنا دیا۔ آپ کو کیا خبر کہ اس مضمون کے ایک ایک لفظ کی "حساب فہمی" کس کس طرح ہوئی ہے ——

خون جگر ودیعت مژگان یار تھا

پہلا مصرعہ پڑھ کر مفہوم خود پیدا کر لیجئے ——

غالب کہتا ہے :۔ نکتہ چیں ہے، غم دل اسکو سنائے نہ بنے —— مرزا غریب تو "غم دل" اسی نکتہ چین کو سنا رہا تھا جسکا غم تھا، لیکن یہاں "غم دل" تھا اور کسی "اور" سے متعلق اس سے نکتہ چینی کی وسعت کا اندازہ فرمایئے —— میں تو جواب میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ

حد چاہیئے سزا میں عقوبت کیواسطے

کیونکہ مجھے کافر کہنے اور سمجھنے میں اب کوئی استثنار باقی نہیں رہا

آپ فرماتے ہیں "جس دلنواز کا حال ہے، اسے ہمارا حصہ ہونا چاہیئے سامعہ نوازی کے لئے بھی، دلنوازی کے لئے بھی" —— آمنا و صدقنا۔ سچ ہے جس کے لئے فطرت اس قدر فیاض ہو کر اس کے عالم شیب میں بھی نتیجۂ دلنوازی "حیات توام" کی صورت میں ارزانی فرمائے۔ اس کو اس سے بھی زیادہ مطالبہ کا حق حاصل ہے —— آپ کو اس سلسلہ میں اپنا وہ شعر یاد نہیں آیا جس کا دوسرا مصرعہ یہ ہے :۔

"لوگ دیکھیں تو کہیں عدہ وفا ہوتا ہے"

آپ کے لئے غالباً یہ امر اور زیادہ "انگاروں پر لٹا دینے والا" ہوگا کہ سر مہاراجہ بہادر شاد آپ کو ابھی تک بھولے نہیں ہیں اور جس وقت میں نے آپ کا ذکر کیا تو وہ تمام صحبتیں ان کو یاد آگئیں، جو سرشار کی معیت میں وہاں برپا ہوتی تھیں، مہاراجہ بہادر نے جس حسرت کے ساتھ آپ کا ذکر سنا، اس کی کیفیت ہنوز میرے دل میں باقی ہے۔ آپ کو یاد فرماتے ہوئے ارشاد ہوا کہ "ریاض کو بلایئے" میں نے عرض کیا کہ "پیر و مرشد بلانا کیسا، انکا تو لانا بھی دشوار ہے، تاہم میں سرکار کا یہ محبت بھرا پیام پہونچا دونگا ممکن ہے اس کی "حیات بخشی" ریاض کو پھر زندہ کر کے بارگاہ شاد تک پہونچا دے" بہرحال میں اخیر جون میں پھر حیدر آباد جا رہا ہوں۔ اور اگر آپ اجازت دیں تو "دلے بر اندش" سے کام لوں۔

ہوش کے متعلق آپ "بھولنے والا" نہ کہئے —— جو شخص اپنے آپ کو بھلا دے، وہ دوسروں کو نہیں بھلا سکتا۔ آپ کے متعلق ان کا بھی وہی اصرار تھا، جو دنیا میں کسی "ریاض شناس" کا ہو سکتا ہے۔

"یک نہ شد دو شد" کے متعلق اب کیا عرض کروں، فطرت کی "غلط بخشیاں" دنیا کا نیا تجربہ نہیں، اگر آپ کے لئے اس میں کوئی مسرت نہیں، تو نہ ہو، قدرت تو آپ کی تکلیف سے مسرور ہوتی ہے۔ آپ ایسا متوکل اور "راضی برضا" قسم کا مسلمان کیا اس سے تسکین نہیں حاصل کرسکتا۔

امتیاز کا جیل چلا جانا باعث فخر و مسرت ہے نہ کہ موجب حزن و ملال، خدا سب کو اس کی توفیق دے۔ یہاں تک کہ آپکو بھی، تاکہ اس فرصت سے فائدہ اٹھاکر بیگم ریاض کو کم از کم یہ کہنے کا تو موقع آپ سے ہو کہ "میں بھی ذرا آرام لوں تم بھی ذرا آرام لو"

میں نے آپ کا خط بیگم نیاز کو دکھا کر اظہار افسوس کیا، تو انہوں نے برجستگی کے ساتھ کہا کہ "کیوں گھبراتے ہو، ریاض صاحب کو تو ابھی ایک بار بچہ ہو کر پھر دوبارہ عمر طبعی تک پہونچنا ہے" میں نے کہا اگر دوسری مرتبہ پھر اسی "دور و تسلسل" کو انہوں نے قایم کیا تو؟ — بولیں کہ "ہونے دو، اس کی کیا فکر، کیونکہ اس وقت نہ ہم ہوں گے نہ آپ" —— یہ تو خیر وہ لطایف ہیں، جو آپ کے سن و سال کے متعلق ہوتے ہی رہتے ہیں، لیکن مجھے اندیشہ یہ ہے کہ کہیں ڈاکٹر ورناف کو نہ خبر ہو جائے، اور وہ محض اپنی "علمی تفتیش" کی تکمیل کے لئے خیرآباد پہونچ جائے، وہ وقت یقیناً بہت سخت ہوگا، جب آپ کانوں پر ہاتھ دھر دھر کر "حقیقتوں" کا انکار کر رہے ہوں گے اور وہ ہنس ہنس کر کہہ رہا ہوگا کہ "نہیں جناب یہ صرف آپ کا انکسار ہے" —— بہرحال جس وقت ڈاکٹر ورناف وہاں پہونچے مجھے ضرور اطلاع دیجئے گا، شاید کوئی مدد آپ کی کرسکوں۔

نیاز

اخبار الاندلس

یہ کتاب ترجمہ ہے اسکاٹ کی مشہور کتاب "ہسٹری آف دی مورش ایمپائر ان یورپ" کا، جسے مولوی خلیل الرحمن صاحب نے حد درجہ کاوش اور محنت کے اردو میں منتقل کیا ہے، مولوی صاحب موصوف اس سے قبل نفح الطیب و تاریخ الخلفاء وغیرہ کا بھی نہایت کامیاب ترجمہ کرچکے ہیں۔ اسکاٹ کی یہ کتاب سلطنت مور کی ایسی جامع و مکمل تاریخ ہے کہ مشکل سے کوئی کتاب اس موضوع پر ایسی مبسوط پیش کیجا سکتی ہے، حقیقت میں یہ کتاب تمدن عرب سے بھی زیادہ ضروری ہے، کاغذ کتابت و طباعت بہترین۔

قیمت جلد اول مجلد عـــ۵ر حصہ دوم مجلد ۔۔ حصہ سوم مجلد معہ مکمل سٹ عـــ۲۰ ر

مولدین

امریکی فاضل مسٹر چارلس لی کی مشہور کتاب مورسکوز کا اردو ترجمہ، مولدین کی جلاوطنی ان کو بالجبر عیسائی بنایا جانا، اسلامی رسوم کو ادا کرنے کے جرم میں انکو سخت سزائیں دیا جانا، اور زندہ جلایا جانا، ماؤں کی گود سے شیرخوار بچوں کو چھین کر عیسائی بنایا جانا، مسلم خواتین کی عصمت دری، مسلمانوں کو سور کا گوشت کھانے اور شراب پینے پر مجبور کیا جانا۔ ان کا بار قتل عام، غرضکہ مسلمانوں کی اس قسم کی اور دردانگیز مصیبتوں کا تذکرہ ہے، اپنے موضوع پر اردو میں پہلی کتاب ہے، قیمت مجلد عـــ۲ "مینیجر نگار لکھنو"

باب الاستفسار

بائبل اور قرآن

(مولوی عطا کریم صاحب۔ رنگون)

"میں اس جوار میں مناظرہ کرنے والے کی حیثیت سے رہتا ہوں اور مناظرہ بھی زیادہ تر عیسائیوں سے ہوتا ہے لیکن مذہبی مناظروں کے سلسلہ میں جس وقت سوال کسی کتاب کے الہامی یا غیر الہامی ہونے کا سامنے آتا ہے تو اسکا یقین کرنا یا کسی اور کو یقین دلانا کہ صرف ایک ہی الہامی کتاب غیر محرف ہے، بہت دشوار ہو جاتا ہے ۔۔ زبور، توریت، انجیل، اور اخیر میں قرآن شریف، ان سب کو الہامی کلام بتایا جاتا ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ اول الذکر تینوں محرف ہو چکی ہیں اور قرآن شریف اپنے حال پر قائم ہے۔ اس دعوی کے ثبوت میں، "تاریخ جمع قرآن" یقیناً بڑی زبردست چیز ہے، لیکن اسے کون مانتا ہے' سوال پیدا ہوتا ہے صرف تعلیمات اخلاق کا اور یہاں آکر تمام کتابیں متفق و متحد ہو جاتی ہیں۔ اس لئے میں بہت ممنون ہونگا اگر آپ بائبل کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں کہ اس کی حقیقت کیا ہے اور کن اسباب کی بناء پر ہم اسے یقینی طور پر محرف کہہ سکتے ہیں"

(نگار) دنیا میں میرے لئے اس سے زیادہ تکلیف دہ امر اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ میں کسی "دماغی تربیت" پر اس کے "پیشہ ور" ہونے کی حیثیت سے نگاہ ڈالوں۔ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ ایک شخص جسمانی ورزش میں تکمیل حاصل کرکے، زنجیر توڑ ڈالے، اپنے سینہ سے وزنی گاڑیاں گزر جانے دے، اور اس طرح اپنی قوت کا ہر ممکن مظاہرہ کرکے رزق حاصل کرے، لیکن مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ ایک شاعر شعر کہتا ہے اس لئے کہ اسے انعام ملے، ایک مولوی واعظ کہتا ہے اس لئے کہ اسباب معیشت فراہم کرے، یا ایک مبلغ تبلیغ مذہب کرتا ہے اس امید پر کہ اس کی ہم مذہب جماعت اس کی روزی کی کفیل ہو۔ یقیناً فی نفسہ شعر کہنا، وعظ و پند کرنا، اخلاق کی تعلیم دینا، نہایت پاکیزہ مشغلہ ہے، لیکن جہاں اسنے پیشہ کی صورت اختیار کی اسکی پاکیزگی خاک میں مل گئی۔ دماغ کا مشغلہ انعطاقی (Sentimental Engagement) ایک نوع کی روحانیت ہے، جس کو مادیت کا ادنی سا لگاؤ بھی داغدار بنا دیتا ہے اور اثرات سے یکسر اجنبی و معرا۔

اس لئے مجھے آپ سے ایک پیشہ ور مناظر ہونے کے لحاظ سے تو کوئی ہمدردی نہیں ہو سکتی، خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ "مناظرہ و تبلیغ" دونوں انسانی ترقی اور دنیاوی امن و سکون کے لئے سخت مضرت رساں ثابت ہو رہے ہیں، لیکن اس خیال سے

کہ آپ کا استفسار ایک اصولی وعلمی بحث کی طرف منجر ہوتا ہے، چند باتین عرض کر دینا نامناسب نہین سمجھتا، بشرطیکہ آپ ان کو اپنا آلۂ کار نہ بنائین اور اس مسئلہ پر آپ خود بھی صرف علمی حیثیت سے غور کرین۔

دنیا مین اس وقت تک کتنی کتابین وجود مین آچکی ہین، جنھین الہامی کہا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب دینا محال ہے، لیکن اس سوال کو اگر محدود کر دیا جائے اور صرف یہ دریافت کیا جائے کہ تعلیم مذہب واخلاق کے متعلق کتنے الہامی صحائف نازل ہوئے، تو بیشک اس کا ایک جواب ہو سکتا ہے اور چند ایسی کتابون کے نام بتائے جا سکتے ہین، جنھون نے عہد تاریخ مین کوئی نہ کوئی یادگار اپنی کامیابی کی چھوڑی۔ وہ توریت ہو یا انجیل، وید ہو یا تالمود اپنی تعلیمی عظمت کے لحاظ سے وہی درجہ رکھتی ہے جو ایک مسلمان کے نزدیک قرآن کو حاصل ہے۔ لیکن آثاری حیثیت سے یعنی اس حیثیت سے کہ بحالت موجودہ ایک الہامی کتاب اپنی اصلی حالت پر قایم ہے یا نہین، بیشک گفتگو ہو سکتی ہے چونکہ اس وقت صرف بائبل کا ذکر ہے اس لئے مین بتا دینا چاہتا ہون کہ اس کی تحریف کے اسقدر ثبوت فراہم ہو سکتے ہین کہ مشکل ہی سے کسی دوسری الہامی کتاب کی تحریف مین پیش ہو سکتے ہین۔

بائبل (Bible) دو حصون پر مشتمل ہے۔ ایک وہ جسے اولڈ ٹسٹامنٹ (Old Testament) یا عہد قدیم کہتے ہین اور دوسرا وہ جو نیو ٹسٹامنٹ (New Testament) یا عہد جدید کے نام سے موسوم ہے۔ لفظ بائبل (Bible) یونانی لفظ جمع ہے جس کے معنی کتُب یا کتابون کے ہین۔ لیکن لفظ بائبل کا اطلاق ان دونون کے مجموعون پر تیرھوین صدی مین رائج ہوا ہے اور مسیح کے ۱۰۰ سال بعد تک لوگ اس نام سے بالکل ناواقف تھے اور نیو ٹسٹامنٹ کے لکھنے والے یا ترتیب دینے والے عہد قدیم کے مجموعہ کو یونانی عیسائی پہلے اولڈ کنونٹ (Old Covenant) کہتے تھے، پھر لاطینی بولنے والے عیسائیون نے اس کا ترجمہ کر کے اولڈ ٹسٹامنٹ (Old Testament) کر دیا اور بعض نے ان کو صرف اسکریچرز (Scriptures) کے نام سے موسوم کیا۔

عہد مسیح مین صحیفۂ عہد قدیم جسے توراۃ کہنا چاہئے دو صورتون اور دو زبانون مین پایا جاتا تھا یعنی ایک مجموعہ اہل فلسطین کا مرتب کیا ہوا جو عبرانی زبان مین تھا اور دوسرا اہل اسکندریہ کا ترتیب دیا ہوا جو یونانی زبان مین تھا۔ اس کے بعد اس کا ترجمہ ارامی زبان مین ہوا جو اُس وقت کے فلسطینی یہود کی عام زبان تھی، پھر عہد وسطیٰ مین لاطینی مین منتقل ہوا اور ۱۳۸۲ء کے قریب لاطینی زبان سے انگریزی مین آیا۔

عبرانی زبان عہد مسیح مین بھی مردہ ہو چکی تھی اور اس کے جاننے والے بہت کم رہ گئے تھے۔ خود مسیح کی زبان ارامی تھی جسے عبرانی سے وہی نسبت حاصل تھی جو انگریزی کو جرمن سے یا موجودہ اٹلی کی زبان کو لاطینی سے ہے۔ اس لئے قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ توراۃ کہان سے آئی، کس نے اس کو لکھا اور کس زمانہ مین۔ لیکن ان سوالون کا کوئی جواب نہین دیا جا سکتا اور باوجود مغرب کی تحقیق بلیغ کے یہ مسئلہ ہنوز تاریکی مین ہے۔ مین اس وقت تفصیل کے ساتھ اس پر روشنی ڈالنے کے لئے طیار نہین اور نہ باب الاستفسار مین اسقدر گنجائش ہے، ورنہ تحقیق السنۂ قدیمہ کے سلسلہ مین جو جدید ترین معلومات حاصل ہوئی ہین

اُن کو سامنے رکھ کر بہ آسانی معلوم ہوسکتا ہے کہ موجودہ توریت کو مطلقاً موسیٰ سے کوئی واسطہ نہین ہے اور بنی اسرائیل کے پاس بابل مین قید ہونے سے قبل کوئی الہامی کتاب یا تحریر موجود نہ تھی۔

جب بنی اسرائیل کو سارغون (شاہ اسیریا) نے ۷۲۲ئہ قبل مسیح مین مفتوح و مغلوب کیا اور ان کی جگہ مستعمرین آسیریا نے لیلی جو در اصل بابل و ایران کے باشندے تھے تو یہودیون کے لئے یہ پہلا موقعہ تھا کہ انھون نے کالدیا، بابل، ایران، میدیا سیریا اور مصر کی قدیم روایات کو اُن کی زبان سے سنا اور انھین کا مجموعہ بعد کو توریت کہلایا۔ چنانچہ آپ دیکھین گے کہ تورات حقیقتاً ایک کشکول کی سی حیثیت رکھتی ہے جس مین رزمیہ نظمین، عاشقانہ غزلین، روایات و امثال، قصص و مواعظ، افسانہ و تمثیل، سبھی کچھ موجود ہے۔ تاریخ کا حصہ اس مین بہت کم ہے اور جو ہے بھی وہ بھی بالکل ساقط الاعتبار، میرا ارادہ نہین ہے کہ زیادہ تفصیل سے کام لون، لیکن بات مین بات بڑھتی جاتی ہے اور مین مجبور ہون کہ اپنے دعوی کے ثبوت مین کچھ دلایل بھی پیش کرون۔ مین نے ابھی عرض کیا کہ تاریخی حیثیت سے بائبل مین جو کچھ نظر آتا ہے وہ قابل اعتبار نہین اور اس کا تعلق بھی بالکل خرافیات سے ہے۔ اس کے ثبوت مین مثالاً آپ صرف یونس نوح اور موسیٰ کے واقعات کو لے لیجئے۔

بائبل مین یہ واقعہ یون درج ہے کہ "نینوا جاتے ہوئے یونس طوفان سے گھر گئے لیکن خدا نہین چاہتا تھا کہ وہ طوفان مین غرق ہون، اس لئے خدا نے ایک مچھلی کو حکم دیا کہ وہ یونس کو نگل لے اور یونس تین دن تین رات اس کے پیٹ مین رہے"۔ لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بہت قبل یونانیون مین ایک روایت انکے دیوتا ہرقلس (Hercules) کے متعلق بھی یہی پائی جاتی تھی کہ "ہرقلس کو جاپا کے قریب ایک مچھلی نے نگل لیا اور تین دن تین رات وہ اس کے پیٹ مین رہا"۔ بالکل اسی طرح کی ایک روایت سوما دیو بھٹا مین پائی جاتی ہے فرق یہ ہے کہ بجائے یونس کے اس مین سکتی دیوا کا نام پایا جاتا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ تاریخی حیثیت سے یہ واقعہ کوئی اہمیت نہین رکھتا بلکہ یہ صرف ایک روایت ہے جو ایام قدیم سے چلی آرہی تھی اور جسے تورات مین بھی جگہ دیدی گئی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس روایت کی حقیقت کیا ہے، سو میرے نزدیک یہ تعبیرات ہین اور ایک مخصوص رنگ کی انشا مین طلوع و غروب کے منظر اور کسوف کی کیفیت کو اس طرح ظاہر کیا ہے۔ یونس معرب ہے (Jonah) کا اور ایام قدیم کی بعض اقوام مین سورج کو جوناہ کہتے تھے، (Basque) مین آفتاب کو جونا، جون، جوانا کہتے تھے اقوام تراجین مین بھی آفتاب کو جونا کہتے تھے اور اہل ایران جوناہ کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ اہل اسکنڈنیویا بھی آفتاب کو جان کے نام سے پکارتے تھے یونانیون کے یہان ہرقلس آفتاب ہی کا دیوتا سمجھا جاتا تھا اور پولی نیشیا کے علم الاصنام مین مچھلی بولکر زمین مراد لیتے تھے۔ اس بیان سے غالباً یہ امر واضح ہوگیا ہوگا کہ واقعۂ یونس سے حقیقتاً کیا مراد تھی اور لوگون نے کیونکر غلطی سے اسے تاریخی واقعہ سمجھ لیا

یہی حال طوفان نوح کے قصہ کا ہے کہ اس کو تاریخی حقیقت مخصوص بہ نوح سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ روایت بھی بابلیون یا کلدانیون سے بنی اسرائیل مین منتقل ہوئی۔ نینوا کے کھنڈرون سے جو نقوش برآمد ہوئے ہین ان سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان

کا قصہ اہل بابل مین مسیح سے ۲۵۰۰ سال قبل رائج تھا

موسیٰ کی پیدایش، ان کے دریا مین بہا دیئے جانے اور ان کے معجزات کا حال سب کو معلوم ہے لیکن یہ تمام روایات موسیٰ سے بہت قبل جون کی تون دنیا مین رائج تھین۔ شمال بابل مین اگادے کے لوگ قصہ بیان کیا کرتے تھے کہ انکا بادشاہ شارغون اول (۲۵۰۰ سال قبل مسیح) کس طرح پانی کے اندر بہتا ہوا پایا گیا تھا، اور کیونکر اس کی مان نے ٹوکری کے اندر ڈال کر اس کی پیدایش چھپانے کے لئے دریا مین ڈال دیا تھا۔ عصائے موسیٰ کی طرح، آرنیس کے پاس بھی ایک عصا پایا جاتا تھا

الغرض بائبل کے واقعات تاریخی، کوئی اہمیت نہین رکھتے اور اس بنا پر اُن کی نسبت یہ کہنا کہ الہامی ہین درست نہین ہوسکتا۔ اس کے ساتھ ایک ثبوت موجودہ بائبل کے غیر الہامی ہونے کا یہ ہے کہ وہ مجموعۂ اضداد بھی ہے اور الہامی کتاب مین یہ نقص ہرگز نہین پایا جاسکتا۔ مین چند مثالون سے تضاد کی حقیقت کو یہان واضح کئے دیتا ہون۔

بائبل اپنے مفہوم کے لحاظ سے چار حصون مین تقسیم ہوسکتی ہے۔ ایک متعلق بہ الہیات، دوسرا اخلاقی نصایح کا، تیسرا واقعات تاریخی کا اور چوتھا عقاید و اصول مذہب کا۔ سو آپ اس مین سے جس حصہ کو لین گے اُسے اضداد سے معمور پائین گے۔ ہر تقسیم کے متعلق چند مثالین اس کی پیش کیجاتی ہین۔

الہیات

خدا کو آرام کی ضرورت ہے اور تھک جاتا ہے اسکا ذکر ذیل کی آیتون مین ہے (jer. XV. 6.) (Ex. XXXI 17.) (Is. [illegible]. 24)	خدا نہ تھکتا ہے نہ آرام کرتا ہے اسکا ذکر ذیل کی آیتون مین ہے:- (Is. XL. 28)
خدا منصف ہے اور غیر طرفدار (Deut. XXXIII. 4) (Ps. XCII. 15)	خدا غیر منصف ہے اور طرفدار (Ex. XX. 5)
خدا ان کو ملتا ہے جو اسکی تلاش کرتے ہین (Prov. VIII. 17)	خدا ان کو نہین ملتا جو اسکی تلاش کرتے ہین (Ps XVIII. 41) - (Is. I. 15.)
خدا رحمان و رحیم ہے (james. V. 11.)	خدا ظالم بے رحم، تباہکار اور خونخوار ہے (I Sam. VI. 19.)
خدا جھوٹ نہین بولتا (Num. 10)	خدا جھوٹ بولتا ہے (I Kings. XX. 11.23)

	صرف ایک خدا ہے (1, Cor. VIII. 4)	خدا ایک سے زاید ہے (1 John V. 7.)
اخلاقی نصایح	چوری و قزاقی ممنوع ہے (Ex. XX. 15) (Lev. XIX. 13)	چوری و قزاقی جائز ہے (Ex. XII. 35, 36) (Ex. III. 21, 22)
	جھوٹ بولنا ناجائز ہے (Prov. XII. 22) (Ex. XX. 16)	جھوٹ بولنا مباح ہے (James II. 25) (1 Sam. XVI. 1, 2)
	قتل کرنا برا ہے (Ex. XX. 13)	قتل کرنا درست ہے (2 Kings. XX. 11, 30) (Ex. XXXII. 27)
	زنا ناجائز ہے (Ex. XX. 14.)	زنا درست ہے (Hosea I 2, III, 1, 2, 3) (Num. XXXI, 18)
واقعات تاریخی	یوسف کے باپ کا نام یعقوب تھا (Matt. I. 16)	یوسف کے باپ کا نام ہیلی تھا (Luke. III, 23.)
	مسیح عالم شیر خوارگی مین مصر لیجائے گئے (Matt. II. 14, 15, 19, 21, 23.)	مسیح عالم شیر خوارگی مین مصر نہین لیجائے گئے (Luke. II 22. 39)
	مسیح کو تیسرے گھنٹہ مین سولی دیگئی (Mark. XV. 25)	مسیح کو چھٹے گھنٹے تک سولی نہین دی گئی (John. XIX, 14, 15)
	یہودا پھانسی لگا کر مر گیا (Matt. XXVII. 5)	یہودا کسی اور طریق سے مرا (Act. I. 18.)

مسیح تین دن تین رات قبر مین رہے (Matt. XII. 40)	مسیح دو دن دو رات قبر مین رہے (Mark. XV. 25, 42, 44, 45, 46 & XVI. 9)
ابراہیم کنعان کی طرف گئے (Gen XII. 5.)	ابراہیم معلوم نہین کہان گئے (Heb. XI. 8)
ابراہیم کے دو بیٹے تھے (Gal. IV. 22.)	ابراہیم کا صرف ایک بیٹا تھا (Heb. XI. 17).
میکائیل کے کوئی بچہ نہ تھا (2, Sam. VI. 25)	میکائیل کے پانچ بچے تھے (2 Sam. XXI. 8.)
اعتقادات مسیح قادر مطلق ہے (Matt. XXVIII. 18.)	مسیح قادر مطلق نہ تھا (Mark. VI. 5.)
مسیح کا پیام امن وسکون تھا (Luke II. 13, 4.)	مسیح کا پیام امن وسکون نہ تھا (Matt. X. 34).
بچون کو اُن والدین کے گناہون کی سزا ملتی ہے (Ex. XX. 5)	.... سزا نہین ملتی (Ezek. XVIII. 20) (Deut. XXIV. 16.)
مردے حشر مین اٹھین گے (1 Cor. XV. 52)	مردے حشر مین نہین اٹھین گے (Job. VII. 9.)

یہ ہے نہایت ہی مختصر اقتباس اُن آیات کا جن سے بائبل کا مجموعۂ تضاد ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کامل استقصار سے پوری ایک کتاب طیار ہو سکتی ہے۔ مین نے بخیال طوالت آیات کو بھی نہین درج کیا بلکہ صرف انکا حوالہ دیدیا ہے تاکہ ہر شخص آسانی سے نکال کے خود مطالعہ کر سکے

اس لئے بحالت موجودہ انجیل کو قرآن کے مقابلہ مین رکھنا کسی طرح درست نہین ہوسکتا، کیونکہ نہ کلام مجید مین کس جگہ تضاد ہے اور نہ اس کی اخلاقی و روحانی تعلیم مین کوئی نقص پیدا ہو سکتا ہے، رہا کلام مجید کا وہ حصہ جس مین روایات و قصص پائے جاتے ہین، اُن کے متعلق مین فی الحال صرف اسقدر عرض کرونگا کہ اگر غور سے انکا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ بھی حشو و زوائد سے پاک ہین اور اُن کو اس صورت سے پیش نہین کیا گیا کہ اُن سے کوئی تاریخی حقیقت ثابت کیجائے۔ اگر کبھی ضرورت ہوئی تو تفصیل سے اس مسئلہ پر لکھونگا۔ فی الحال انھین چند صفحات پر اکتفا کرتا ہون۔

علم کیمیا کا ایک حیرت انگیز معجزہ — کایا پلٹ ہیر آئل

کہنے کو صرف یہ تیل ہے لیکن اپنے اثرات کے لحاظ سے اکسیر کو بھی مات کرتا ہے۔ یہ تیل نہایت قیمتی اور نادر الوجود نباتاتی و کیمیاوی اجزاء سے جدید اصول پر طیار کیا گیا ہے جسکی تصدیق بڑے بڑے سائنس والون نے کی ہے اسکے فواید کی تفصیل مختصر اشتہار مین ناممکن ہے۔ مختصراً یون سمجھ لیجئے کہ گھر مین اسکی ایک شیشی رکھنا گویا بہت سے امراض کو دفع کر دینا ہے۔

اگر: سر یا چندیا کے بال گر گئے ہین یا گر رہے ہین۔ یا بالخورہ اور گنج ہو گیا ہے۔

اگر: نزلہ، درد سر یا شقیقہ، دوران سر، ضعف دماغ و ضعف بصر، بے خوابی یا نسیان کی شکایت ہے۔

اگر: سر اور جسم کی پھوڑیاں، پھنسیان، گرمی دانے، خارش یا دیگر امراض جلدی کا دفع کرنا مقصود ہے۔

اگر: کنٹھ مالا، سل اور دق وغیرہ سے محفوظ رہنا ہے

تو۔ ان سب کا واحد علاج کایا پلٹ ہیر آئل ہے

جو نہ صرف خوشبو بلکہ اپنی مقدار و وزن کے لحاظ سے بھی بازار کے تمام خوشبودار تیلون سے اچھا اور ارزان ہے۔

ڈاکٹر تیج بہادر لکھنؤ نے اپنی تحریر مین تصدیق فرماتے ہین کہ اس تیل کے فواید اشتہار کے مطابق پائے گئے ہین اور

مرزا جعفر علی خان صاحب بی اے ڈپٹی کلکٹر رائے بریلی نے دوامی آرڈر ہر ماہ ایک شیشی کا دیدیا ہے۔

مولانا نیاز فرماتے ہین کہ بیگم نیاز کے تمام گرے ہوئے بال از سر نو پیدا ہو رہے ہین اور بہت گھنے۔

جوابی امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ ضروری ہے

قیمت معہ محصول .... (۸؎ ۱ روپیہ) دو شیشیون کے خریدار سے معہ محصول ... ۶ ؎

منیجر کایا پلٹ ہیر آئل لکھنؤ

محلّہ کی رونق

مہر زمانی بیگم، اُس زمانہ کی خاتون تھین، جب عورت کو تعلیم تو نہین دیجاتی تھی، لیکن اس کی تربیت اتنی ہوجاتی تھی کہ خدا کی پناہ! یعنی یہ کہ وہ غلطیان کرکرکے، نقصان اُٹھا اُٹھاکر تجربات حاصل کرنے کے لئے، حوادث و اتفاقات کے رحم پر چھوڑ دیجاتی تھی اور آخر کار سن ڈھلتے ڈھلتے وہ سارے خاندان کے لئے ایک "تلخ حقیقت" اور "ناگزیر مصیبت" ہوکر رہجاتی تھی۔

مہر زمانی بیگم نے چونکہ دنیا مین بہت زیادہ غلطیان کی تھین، اس لئے وہ بہت زیادہ تجربہ کار تھین اور اسی نسبت سے "بے پناہ" —— جسوقت وہ صبح کو بیدار ہوتین اور پوری قوت کے ساتھ دروازہ کو کھولتی ہوئی، اپنی "ابعاد ثلثہ" رکھنے والی بھاری، بلند، چوڑی اور کرخت آواز سے خادمہ کو پکارتی ہوئی نکلیتں، تو گھر کا ہر فرد اپنی جگہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھتا، گویا "اسرافیل" نے کہین قریب ہی کی گلی سے صور پھونکنا شروع کردیا ہے، اور چونکہ بدقسمتی سے وہ تہجد گزار بھی تھین اور سوتی بھی تھین ہمیشہ بارہ کے بعد، اس لئے انکا وجود تمام گھر کے لئے ایک ایسا فتنہ تھا، جو رات دن مین بیس گھنٹے بیدار رہتا تھا اور صرف چار گھنٹے محوِ خواب —— اور "محوِ خواب" بھی کیا صرف "بستر آشنا" کہئے، کیونکہ جب وہ سوجاتی تھین تو اُن کے "خراٹے" جاگ اٹھتے تھے، جو خود اک مستقل عذاب کی صورت رکھتے تھے۔

مہر زمانی بیگم کا صبح کو اٹھتے ہی، سب سے پہلے خادمہ (گلشن) کو اپنی خزان رسیدہ اور بھیانک آواز سے پکارنا، گویا "بگل" کی آواز تھی کہ اس کے بعد کسی کا بستر پر پڑے رہنا، اپنے آپ کو "مارشل لا" کی گرفت مین دیدینا تھا۔

مہر زمانی بیگم کی زندگی کی تمام وہ کیفیات، جنھون نے زمانہ کو بے کیف بنا رکھا تھا منحصر تھین صرف ان دو باتون پر کہ اول تو وہ کسی وقت چُپ ہوجانا گناہ سمجھتی تھین اور دوسرے یہ کہ صحیح معنی مین وہ اُس حوا کی بیٹی تھین جس نے اپنی خود اور زعم فراست پر جنت ایسی چیز کو ٹھکرا دینے مین باک نہ کیا —— خدا جانے کس نے اُن کو یقین دلا دیا تھا کہ زبان اگر ہر وقت جنبش نہ کرتی رہے تو مفلوج ہوجاتی ہے اور اگر بغیر عیب نکالے ہوئے کسی بات کو مان لیا جائے تو دماغ خراب ہوجاتا ہے۔ ان کی گفتگو ہمیشہ الزامی اور جواب طلب ہوا کرتی تھی لیکن زبان کی تیزی کا کیا علاج کہ اُن کی ایک بات کا جواب دینے سے پہلے، دوسری بات کا جواب انسان پر عاید ہوجاتا تھا اور آخر کار وہ کسی کا بھی جواب نہ دے سکتا تھا۔ اور بیگم صاحب اس کو اپنے الزامات کی صحت کی دلیل اور زجر و توبیخ کے لئے سند سمجھتی تھین۔

کچھ عرصہ سے یہ بیوہ تھین اور ممکن ہے یہ اطلاع درست ہو کہ اسس قبل از وقت بیوگی کی ذمہ دار بہت کچھ وہ خود تھین —— مرزا فریدون قدر یون بھی فطرتاً نہایت نیک نفس، بے زبان صلح کل اور متواضع انسان تھے اور اگر مہر زمانی بیگم کی جگہ ان کی بیوی کوئی اور ہوتی تو بھی وہ "نمک خوار" ہی قسم کے شوہر ثابت ہوتے، مگر انھون نے تو ان کو کچھ ایسا "[illegible]"

و '' فدوی '' بنا دیا تھا کہ ۔ ۔ ۔ تصوف کے تمام منازل جلد جلد طے ہونا شروع ہو گئے، یہانتک کہ '' فنا فی اللہ '' کی منزل تک پہونچنے مین بھی انھین زیادہ عرصہ نہ لگا۔ انھون نے اپنے بعد ایک جوان لڑکا برجیس قدر چھوڑا اور دو لڑکیان جن مین سے بڑی کی عمر ۱۶ سال کی اور چھوٹی کی ۱۰ سال کی تھی برجیس قدر کی شادی ہو چکی تھی اس لئے بہو بھی گھر مین موجود تھی اور اس طرح علاوہ دو خادمون اور تین خادمہ عورتون کے، مہر زمانی بیگم کے دائرۂ حکومت مین چار نفوس اور بھی شامل تھے۔

اولاد نے تو خیر، اسی استبدادی حکومت مین نشو و نما پایا تھا اور ابتدا ہی سے وہ اس کے عادی ہو چکے تھے، لیکن بہو کے لئے ضرور یہان کی غلامی بہت تکلیف دہ تھی۔ مگر جب وہ اپنے شوہر کو اسدرجہ ناچار و مجبور پاتی تھی تو اُسے بھی منہ کھولنے کی جرات نہ ہوتی تھی اور دل ہی دل مین گھٹ کر رہجاتی تھی ایک دن اسنے ہمت کر کے شوہر سے اپنے ساس کے مظالم کی داستان جستہ جستہ دُہرائی، تو وہ سنکر باہر چلے گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔ راضیہ تعلیم یافتہ تھی اور خوشحال گھرانے کی، اس لئے مادی و روحانی دونون جذبات کے لحاظ سے اس کو سسرال مین اذیت پہونچتی تھی، مگر چونکہ ہندوستان کی لڑکی تھی، اس لئے اندر ہی اندر گھلنے کے سوا اور کیا کر سکتی تھی —— خیر ہمیں کوئی فسانہ تو لکھنا نہین کہ جزئیات سے بحث کرین، بلکہ مقصود صرف مہر زمانی بیگم کا کیرکٹر دکھانا ہے، اس لئے اور تمام جھگڑون کو چھوڑ کر فی الحال اُن کی زندگی کا صرف ایک ''ان'' پیش کرنے پر اکتفا کیجاتی ہے۔

۶ رجون کی صبح کو —— ان کے یہان گرمیون مین صبح ہمیشہ ۳ بجے رات کو ہو جاتی تھی اور جاڑون مین انتہائی رعایت کے ساتھ ۵ بجے، گویا طلوع آفتاب سے تین گھنٹے قبل کو دن کے ساتھ ہی ان کی '' کائین کائین'' کا بھی شروع ہو جانا لازم تھا —— ہان، تو ۶ رجون کی صبح کو جب وہ بیدار ہوئین اور حسب معمول گلشن کو آواز دی، تو گھر مین بالکل خاموشی طاری تھی۔ قاعدہ تھا کہ اُن کی پہلی گھن گرج آواز پر گلشن دوڑ پڑتی تھی اور سارے گھر مین آثار حیات پیدا ہو جاتے تھے۔ لیکن رات کو چونکہ گلشن کو بخار آگیا تھا اس لئے صبح کو اس کی آنکھ نہیں کھلی، بیگم صاحب کے نزدیک دنیا میں اس سے زیادہ کوئی قصور نہین ہو سکتا تھا کہ وہ کسی کو پکارین اور پہلی آواز پر دوڑتا ہوا نہ آئے۔ اس سکوت پر اُن کے غصہ کا پارہ دفعتہً اسقدر چڑھ گیا کہ بیتاب ہو کر، گالیان دیتی ہوئی گلشن کی کوٹھری کی طرف دوڑ پڑین۔ سوء اتفاق دیکھئے کہ شام کو دروازہ کے سامنے سے اسٹول ہٹانا کسی کو یاد نہ رہا اس لئے بیگم صاحبہ جو گھبرا کر باہر نکلین تو انکا کلی دار پائنچہ اس سے الجھ گیا اور وہ بری طرح منہ کے بل فرش پر گرین —— بیگم صاحب چونکہ قد و قامت مین، لندھور بن سعدان کی بہن تھین اس لئے اس دھماکے سے نہ صرف انکا سارا گھر بلکہ آس پاس کے بھی دو چار گھر چونک پڑے کہ یہ تین بجے رات کو دفعتہً کس کی سلامی سر ہونے لگی —— پہلے تو بیگم صاحب نے گرتے ہی شور مچانے کا ارادہ کیا، لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ سب لوگ دوڑتے ہوئے آرہے ہین، تو انھون نے اس واقعہ کو زیادہ سنگین بنانے کے لئے بیہوش ہو جانا ہی مناسب سمجھا۔ یہ وقت بھی، عجیب وقت تھا کہ بہو، صاحبزادے، صاحبزادیان اور تینون کنیزین پوری قوت کے ساتھ بیگم صاحب کے بے حس و حرکت جسم کو اُٹھانا چاہتی تھین اور انکا جاندار لاشہ کسی طرح جنبش مین نہ آتا تھا آخر کار یہ رائے قرار پائی کہ وہین فرش پر قالین بچھا کر بیگم صاحب کو سرکا کے لٹا دینا مناسب ہے، بیگم صاحب کے کانون مین جو یہ

بھنک پڑی تو انھون نے اپنی غشی کو ختم کر دینا ہی مناسب سمجھا اور جس طرح وہ بیہوش ہوئی تھین، اسی طرح وہ ہوش مین بھی آنے لگین، پہلے آہستہ آہستہ پپوٹون مین لرزش پیدا کی اور لبون پر جنبش پھر نہایت ضعف کے ساتھ ہات کو ایک طرف ڈھلکا دیا اور تھوڑی دیر مین آنکھین کھولکر اس طرح دیکھنے لگین، گویا کسی اور عالم سے ابھی ابھی تشریف لائی ہین۔ ہر چند اُن کے ہوش مین آجانے سے سب کو اطمینان ہوا، لیکن اسی کے ساتھ اس خیال سے جسم پر لرزہ بھی طاری تھا کہ اسٹول سے ٹکرا کر گر جانے کی خطا مین دیکھئے کس کس کو مجرم قرار دیا جاتا ہے اور کیا سزا تجویز ہوتی ہے۔ صاجزادہ تو خیر حکیم کے بلانے کے بہانہ سے باہر چلے گئے، لڑکیان اُن کو اُٹھانے اور بہو بستر درست کرنے مین مصروف ہو گئی، ایک گلشن ہی سامنے رہگئی تھی، سو بیگم صاحب نے قرعۂ فال اسی غریب کے نام نکالکر جو گالیون کی بوچھار شروع کی تو ایک منٹ مین بدحواس کر دیا اور اُٹھتے اٹھتے اس کے سر کے بال پکڑ کر اس طرح جھنجوڑ ڈالا گویا پھلیندے بگھار رہی تھین۔ بیگم صاحب صرف اس ایک سوال کا جواب اُس سے چاہتی تھین کہ "اسٹول کس نے رکھا" اور گلشن یہی کہتی جاتی تھی کہ "سرکار مجھے خبر نہین"۔ بیگم کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی، مصنوعی غشی کے مصنوعی اثرات رفع کرنے کے بعد انکا غصہ پورے جلال کے ساتھ بھڑک رہا تھا اور ہر شخص اپنی جگہ کانپ رہا تھا کہ دیکھئے آج کیا ہوتا ہے۔ حقیقتاً اسٹول ان کی بہو لائی تھین اور اسپر چڑھکر طاق سے کوئی چیز اُٹھائی تھی، لیکن بعد کو اُٹھانا بھول گئیں۔ گلشن کو اس کا علم تھا لیکن وہ کہنا نہین چاہتی تھی کہ مبادا بات زیادہ بڑھجائے۔ مگر وہ کب تک برداشت کرتی، آخر کار اس نے مجبور ہو کر کہہ دیا کہ "دُلھن سے پوچھیے، وہی یہان لائی تھین" —— یہ سننا تھا کہ بیگم نے گلشن کو چھوڑ کر غریب دلھن کی طرف رُخ کیا اور اگر اتفاق سے صاجزادہ صاحب حکیم کے آنے کی اطلاع نہ دیتے تو کون کہہ سکتاہے کہ یہ ڈراما کیونکر ختم ہوتا۔

حکیم صاحب اس خاندان کے پُرانے معالج تھے اور چند دن سے بقول خود "ضعف" کا علاج کر رہے تھے۔ اب یہ معلوم نہین کہ اس سے مراد اُن کی "ضعف" دور کرنا تھا یا "ضعف" پیدا کرنا۔ جب انھین معلوم ہوا کہ آج صبح بیگم صاحب کو غش بھی آگیا تو انھون نے نبض دیکھنے اور حالات دریافت کرنے کے بعد دوسرا نسخہ تجویز کر کے چل دیے۔

ان کے جانے کے بعد بیگم نے اپنے بیٹے سے کہا کہ "ذرا نسخہ تو پڑھنا"

انھون نے پہلا جزو "گل بنفشہ کشمیری" پڑھا تھا کہ بیگم صاحب نے چیخنا شروع کیا۔ "خدا غارت کرے ان حکیمون کو، معلوم نہین "بنفشہ" ان کی کوئی سگی لگتی ہے یا کیا کہ بغیر اس کا نام لئے ہوے، انکا قدم ہی نہین آگے بڑھتا اور مین پوچھتی ہون کہ یہ حکیم صاحب میری کمزوری کا علاج کر رہے ہین یا زکام نزلہ کا لاحول ولا قوۃ۔ معاف کرو، مین باز آئی اس نسخہ سے اور ہان اس کے بعد کیا لکھا ہے؟" —— "تخم گاوزبان" —— "کیا کہا، تخم گاؤ زبان! آنکھین کھول کے پڑھو، برگ گاؤزبان لکھا ہوگا"

"جی نہین اس مین تو تخم گاوزبان ہی لکھا ہے"

—— "لکھنے کی غلطی ہوگی، تخم کاٹ کے برگ کردو"۔ "اچھا آگے چلو"

—— "مویز منقی" —— "کتنے دانے لکھے ہین؟" —— "سات" ——

—— "سات زیادہ ہین، پانچ کافی ہونگے۔ اچھا" —— "تخم کثوت" ——

اس دوا کا نام سننا تھا کہ بیگم آگ ہوگئین اور نسخہ بیٹے کے ہات سے لیکر چاک کرتی ہوئی بولین کہ حکیم صاحب سے کہدینا کہ مہربانی کرکے اب میرے یہان آنے کی زحمت نہ اختیار کرین غضب خدا کا یہ گرمی کا زمانہ، یہ میرا اختلاج یہ ضعف دماغ اور تخم کثوت! معلوم ہوتا ہے میری جان لینے کا ارادہ ہے —— "حماقت سے اسی عالم برہمی مین گلشن ناشتہ لے آئی جو غشی کی رعایت سے بہت ہی ہلکے قسم کا یعنی صرف دلیا اور دودھ تھا۔ بیگم نے دیکھتے ہی مارے غصہ کے کشتی پر جو ہاتھ مارا، تو دودھ سے تمام فرش خراب ہوگیا پلیٹ گرکر چور چور ہوگئی —— ایک تو بیگم کو اس بات کا غصہ کہ بجائے پراٹھون انڈون کے ناشتہ مین صرف دودھ اور دلیا لایا گیا، دوسرے اس امر کی برہمی کہ فرش خراب ہوگیا پلیٹ ٹوٹ گئی —— بس یون سمجھ لیجئے کہ بالکل "دوآتشہ" ہورہی تھین، اور آنکھین یہ معلوم ہوتا تھا کہ اُبل کر باہر آجائین گی —— بیگم کے غصہ کے تین درجے تھے۔ پہلا ہلکے قسم کا غصہ تو وہ تھا جب صرف گالی کوسنے پر کفایت ہوتی تھی اور یہ ایسی استمراری چیز تھا کہ اسکی اہمیت بھی لوگون کے دل سے مٹ گئی تھی اور بیگم کا بڑبڑاتے رہنا، گھر کی رونق کا گویا جزو لازم ہوگیا تھا۔ دوسرا درجہ غصہ کا وہ تھا جب زبان کے ساتھ ہات بھی چلتا تھا اور ہفتہ مین دو تین بار اس کا دورہ پڑنا یقینی تھا، اس کا مظاہرہ زیادہ تر خادمون پر ہوا کرتا تھا اور کبھی کبھی بیٹیون پر۔ لیکن ایک تیسری قسم غصہ کی اور بھی تھی، یعنی یہ کہ اُن کی زبان اور اُن کی ضرب دونون کا صرف خود اُن کی تین من کی وزنی "جان ناتوان" پر ہوا کرتا۔ وہ اس عالم مین اپنا منہ نوچ لینے لگتین، بال کھسوٹنا شروع کردیتین، دیوار سے سر مار دیتین، ہزارون گالیان خود اپنے آپ کو سنا ڈالتین۔ اس مین شک نہین کہ غصہ کی یہ کیفیت دوسرون کے لئے بے ضرر اور پُرامن و سکون تھی، لیکن اس کے اثرات مابعد ہمیشہ دوسری قسم کے غصہ کی صورت مین نمودار ہوتے اور وہ تمام "بے ضرری و امن پسندی" اک مستقل ہنگامۂ دار و گیر اختیار کرلیتی۔

اس وقت بھی جب ناشتہ انھون نے اس بُری طرح رد کردیا تو اس خیال سے کہ اب دوپہر تک کسی طرح کھانا نہین ملسکتا اور اُن کو اپنا وہ معدہ جو کسی وقت بغیر ثقیل غذا کے چین سے نہین رہسکتا تھا عرصہ تک خالی رکھنا پڑیگا، دفعتہً ان کا غصہ تیسرے درجہ تک پہونچگیا اور انھون نے وہی دیوانگی اختیار کرلی جو سارے اہل محلہ کو گوش برآواز بنا دیتی تھی۔ اس غصہ کا دورہ عموماً زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ تک جاری رہتا تھا کیونکہ گھر کے سب لوگ چارون طرف سے انھین سنبھال لیتے تھے، خوشامدین کرکرکے ہاتھ جوڑ جوڑ کر سر پھوڑنے سے باز رکھتے تھے، لیکن اب ان کی طرف سے بیزاریاں اس حد تک بڑھ گئی تھین کہ ان کی اس حالت کو خدائی انتقام سمجھ کر سب اپنی اپنی جگہ خاموش رہجانا پسند کرتے تھے۔ چنانچہ اس مرتبہ کسی نے ان کو نہین سمجھایا اور انکا جنون بڑھتا ہی رہا، یہانتک کہ چند منٹ مین اُن کے کپڑے تار تار ہوگئے اور جسم

لہولہان ـــــ جب وہ خود تھک کر نیم مُردہ حالت مین گر پڑین تو سب سے پہلے صاحبزادے آئے اور انھون نے نہایت ہی ادب کے ساتھ عرض کیا کہ "امی جان آپ ناحق اپنے آپ کو اسقدر ایذا پہونچاتی ہین، خدا کے لئے اپنے اوپر اور ہم سب پر رحم فرمایئے یہ آخر کب تک برداشت کیا جا سکتا ہے"

بیگم صاحب کے لئے اس سے زیادہ تکلیف دہ امر اور کوئی نہین تھا کہ کوئی شخص ناصحانہ لہجہ مین ان سے گفتگو کرے وہ اس کو سخت توہین سمجھتی تھین ـــــ اس لئے وہ بیٹے کی یہ بزرگانہ گفتگو سُن کر اس سے زیادہ ضبط نہ کر سکین کہ ہات پکڑ کر ان کو فوراً باہر نکال دیا اور اس سانحہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس دن گھر مین کھانا ہی نہین پکا اور بیگم صاحب کے ساتھ سب کو فاقہ کرنا پڑا سہ پہر کو جب وہ اپنے کمرے سے باہر نکلین تو آنکھین سُرخ تھین اور تیوریان چڑھی ہوئی، مُنہ پھولا ہوا تھا اور پیٹ پچکا ہوا۔ نکلتے ہی حکم دیا کہ تانگہ لایا جائے اور تھوڑی دیر مین وہ سوار ہو کر اپنی بہن کے مکان پر جو کسی دوسرے محلہ مین رہتی تھین چلی گئین

بیگم صاحب کی برہمی کا یہ صورت اختیار کر لینا کوئی نئی بات نہ تھی بارہا ایسا ہوا کہ وہ برہم ہو کر چلی گئین اور دو دن بھی اپنے پس ماندگان کو چین نہ لینے دیا کہ پھر واپس آ گئین۔ ہرچند ان کی یہ غیر حاضری سب لوگون کو فردوسی سکون عطا کر جاتی تھی، لیکن اس نعمت کے جلد چھین لئے جانے کا خوف اس فرحت سے پوری طرح لطف اندوز نہ ہونے دیتا تھا۔

دونون بیٹیون کے لئے اول اول تو بہت جگہ سے پیام آئے، لیکن بعد کو جب معلوم ہوا کہ ان کی مان اس مزاج کی ہے تو پھر کسی نے ہمت نہین کی۔ بہو بھی مہینے مین بیس دن اپنے میکہ رہتی تھی اور باقی دس دن مین زیادہ حصہ بہانۂ علالت مین گزر جاتا تھا۔ بر جیس قدر کی یہ کیفیت تھی کہ کسی وقت اتفاق سے گھر آ گئے تو آ گئے، ورنہ زیادہ تر دوست احباب مین یا اپنی بیوی کے گھر اپنا وقت صرف کرتے تھے ـــــ وہ ملازم جو غریب کہین نہین جا سکتے تھے یا وہ اہل محلہ جو اپنے اپنے مکان نہین چھوڑ سکتے تھے، بیشک مستقل تماشائی اس "اکھاڑے" کے تھے اور جب کسی طرف سے کوئی شور و غوغا بلند ہوتا تھا تو بغیر کسی تحقیق کے ہر شخص آنکھ بند کر کے یقین کر لیتا تھا کہ "ہو نہ ہو یہ بیگم صاحب ہی ہونگی"

افسوس ہے کہ ایک ہفتہ ہوا دفعۃً مہر زمانی بیگم کے قلب کی حرکت بند ہو گئی اور قبل اس کے کہ کوئی طبیب آ کر نسخہ لکھتا اور وہ اسکے اجزا مین حذف و اضافہ کرتین، "آناً فاناً" انکا انتقال ہو گیا۔ مین تو جنازہ مین شریک نہین ہوا، لیکن سنا ہے کہ کافی ہجوم ساتھ تھا اور ہر شخص کے چہرہ پر کچھ ایسے آثار پیدا تھے، جیسے کوئی بڑی خوشی کی بات ہو گئی ہے اور سب ملکر اس تقریب مسرت سے لطف اُٹھا رہے ہین۔ خود اُنکے گھر والون کے تاثر کا کیا عالم تھا؟ اس کا اندازہ یون ہو سکتا ہے کہ صبح کو جانیوالی کی یاد مین جب ہر شخص خوب سیر ہو کر کھانا کھانے کے بعد سویا ہے تو دوسری صبح تک کسی کی آنکھ نہین کھُلی، لیکن عادت بھی کیا بُری چیز ہے۔ صبح کو چار بجے جب مرحومہ کے کمرے سے کسی چیز کے گرنے کی آواز آئی تو گلشن نیند کی حالت مین یہی سمجھی کہ بیگم صاحب آواز دے رہی ہین اور وہ "حضور، سرکار" کہتی ہوئی اس طرح بد حواس ہو کر دوڑ پڑی جیسے بیگم صاحب کی زندگی مین دوڑ پڑتی تھی۔ بہرحال کوئی کچھ کہے، مگر یہ واقعہ ہے کہ بیگم محلہ کی رونق تھین اور آج وہ رونق مفقود ہے۔

شام شفق

دیکھ اے دل سامنے یہ منظرِ نیرنگ کار — آسمان مغرب مین ہے جوش شفق سے لالہ زار
پتیون کی آڑ مین چھپنے چلا ہے آفتاب — چہرۂ رنگین پہ ڈالے ایک نارنجی نقاب
آہ یہ خورشید زرین یہ شعاعین یہ سکوت — حجلۂ زرتار مین بیٹھی ہے گویا عنکبوت
یا کوئی نازآفرین مستی مین گھبرائی ہوئی — جھانکتی ہے پردۂ زرین سے شرمائی ہوئی
طاسکِ گلگون مین یا ساکت ہے جام احمرین — یا غبار رنگ مین ہے کوئی گل خلوت نشین
ہین فضائین دوش پر رکھے ردائے شعلہ گین — یا ہے آغوش افق مین ایک بحرِ آتشین
یا سحابِ گل پہ رقصان ہے عروسِ نوبہار — دیکھ کر جس کی ادائین حسن خود ہے شرمسار
یارہ فردوس مین حورین ہوئی ہین گام زن — گرد رنگین سے ہے جس کے آسمان گل پیرہن
اس فضا مین یا طیور رنگ گلزار جہان — بیٹھے ہین زرین شعاعون پر بنا کر آشیان
یا ہوا پہنے ہے اک گلگون حبابی پیرہن — یا فضا مین کھل رہا ہے، احمرین پھولون کا بن
آگ گویا لگ رہی ہے وادی کہسار مین — جنگلون مین، دشت مین، دریاؤن مین گلزار مین
جوش رعنائی سے دودِ شعلہ آتش رنگ ہے — یہ افق، یہ بربط زرین شرر آہنگ ہے
دختر شام شفق دامن ہے سرمست شباب — غازۂ نارنج رخ پر مل رہا ہے آفتاب
یہ سکوت شام اور یہ منظرِ جنت اثر — کھینچتے ہین آہ کس شوخی سے دامانِ نظر
دیدہ سے دل تک ہے رقصان اک بہار لالہ خیز — ہے شراب عیش و عشرت چار جانب نشہ ریز
دل سے لگ کر سو گیا ہے جوش بیتابی غم — شام کو گہوارۂ ساحل مین جیسے موج یم

آہ یہ زر بیضۂ سیمرغ یعنی آفتاب — اس فضائے احمرین مین کس طرح ہے جلوہ تاب
اک حباب آتشین، تنویر پیرا، لالہ فام — ساحل دریائے نیلم کی طرف ہے مست گام
کوہسار غرب سے اڑ کر سیاہی کا عقاب — آگیا پھیلا کے اپنا بازو شبرنگ ناب
ہو رہی ہے غرق دنیا رات کے سیلاب مین — چھپ رہا ہے یا کنول اس اسودین گرداب مین
برق جیسے ابر مین، یا سنگ مین جیسے شرر — یا گل انجم فلک پر جیسے ہنگام سحر

وہ فضائے ارغوانی، وہ فروغ نوبہار
تھے بساطِ شب پہ گویا رقص نیرنگ شرار

یہ تماشائے حبابی دیکھ کر بے اختیار
میری آنکھون سے ٹپک پڑتے ہین جام زرنگار
یاد آتا ہے وہ تیرا حسن فردوس نظر
ڈوب جاتا ہے ہجوم رنگ مین دل سربسر
یاد آتی ہے وہ چشم قوس صہبا آفرین
کوندتی ہے سامنے برق شباب احمرین
یاد آتا ہے ترا گل خندۂ راحت نواز
یاد آتی ہے ترے شانون پہ وہ زلفِ دراز

میری کشتی طلسمی مست انفاس صبا
کس طرح ہے اس سنہری موج مین نغمہ سرا

شمیمی ـ بی ـ اے

معارف

شکستہ پائی کا شکوہ ہے اعترافِ شکست
رگڑ کے ایڑیان زمزم کی لہر پیدا کر
متاعِ اشک کو رو رو کے خاک مین نہ ملا
اگر تو مرد ہے قطرے سے بحر پیدا کر

یونہی گنوا نہ تلاش سکون مین عمر عزیز
تجھے مثال شرر بیقرار رہنا ہے
تو خود ہی دوڑ کے مونہ چوم لے امین انکا
جن آفتون سے تجھے ہمکنار رہنا ہے

رہین نالہ و شیون! تری بلا جانے
مصیبتون کا یہ رونا ہی خود مصیبت ہے
تجھے خبر بھی ہے؟ قدرت کا ہے یہی قانون
کہ غم کو فرد کے احساسِ غم سے نسبت ہے

حیات خندۂ جاوید ہے حقیقت مین
خزان کے خوف کا گل پر کوئی اثر کیون ہو؟
امین جو دہر مین انسان بنکے ہو آیا
وہ اس حقیقتِ روشن سے بیخبر کیون ہو؟

امین حزین

تجلیات

ذوق صورت ساز و شوقِ جلوہ سامان داشتم
یاد ایامے کہ منزل۔ منزل جان داشتم

دست در دستِ نگارے شوخ و سیر کوہ طور
بود حاصل ہر تمنائے کہ پنہان داشتم

از جمال حسن ساقی صد بہاران در نظر
وز فروغ بادہ برخود صد گلستان داشتم

گہ بزیرِ طور پیہم دعوت ذوق نظر
گہ بہ سقفش دولت حسن خرامان داشتم

آہ آن ساعت کہ از فیض جمال ہمنشین
ہر نفس در ہر نظر جنت بدامان داشتم

ہم چمن آوارہ ام ہم سر بصحرا دادہ ام
من جگر ہستم ہمان کامروز دور افتادہ ام

یاد ہین ابتک جگر وہ بیقراری کے مزے
دردِ پیہم کی نگاوٹ زخم کاری کے مزے

وہ جبین شوق اپنی وہ کسی کا پائے ناز
سجدہ ریزی کی لطافت اشکباری کے مزے

شوق کی روداد پردہ حسن کی بیہر یان
عشق کی فریاد پردہ شرمساری کے مزے

کہئے کیا کیفیتِ ناز و نیازِ حسن و عشق
رازداری جانتی ہے رازداری کے مزے

وہ اک آہِ آتشین کا جان مضطر سے سلوک
وہ نگاہ شرمگین کی غمگساری کے مزے

انتہائے سادگی و شوق سامانی کے لطف
ابتدائے عاشقی و خام کاری کے مزے

ہر جمالِ نو کی پیہم اللہ اللہ شان خاص
ہر خیالِ تازہ کی نااستواری کے مزے

دل سراپا درد ہے دل ہی سے اکدن پوچھئے
شام سے لیکر سحر تک دم شماری کے مزے

عشق کے مضبوط ترکِ عہد مطلب کی شکست
حسن کی نا منتقل غفلت شعاری کے مزے

اپنی ہر لغزش سے پیدا عشق کا لطفِ یقین
اُس کے ہر انداز پر بے اعتباری کے مزے

آہ وہ دردِ محبت کی گذشتہ لذتین
خوشگواری کے مزے ناخوشگواری کے مزے

قطرہ قطرہ موج صہبا ذرہ ذرہ جام جم
اب کہان سے لائیے اس میگساری کے مزے

شور مستانہ کجا و جلوۂ ساقی کجا
آہ آن ساقی کجا و آن مئے باقی کجا

اے کہ وابستہ ترے دم سے نظام آرزو
سن پیام آرزو بعد از سلام آرزو

تو کہ جانِ حسن ہے اور حسن تیری جان ہے
ہان مبارک ہو تجھے عیش دوام آرزو

تیری ہر موج تبسم تیری ہر موج نظر
ایک برق طور تھی بالائے بام آرزو

تیرا روئے آتشین مسجودِ صبحِ دلبری
تیری زلفِ عنبرین معبودِ شامِ آرزو

چشم و دل پر وہ عنایت وہ کرم وہ مرحمت
اللہ اللہ تو کرے یون احترامِ آرزو

مین نہین بھولا تجھے تجھکو بھی شاید یاد ہو
تجھ پہ وہ چھایا ہوا کیفِ تمامِ آرزو

حرفے از دردِ دل بے مدعائے گفتنی ہست
ماجرائے گفتم و صد ماجرائے گفتنی است

جگر مرادآبادی

سلمیٰ!

(Sonnet کے تتبع مین!)

بہارِ حسن کا تو غنچۂ شاداب ہے سلمیٰ!
تجھے فطرت نے اپنے دستِ رنگین سے سنوارا ہے!
بہشتِ رنگ و بو کا تو، سراپا اک نظارا ہے!
تری صورت، سراسر پیکرِ مہتاب ہے سلمیٰ!
ترا جسم، اک ہجومِ ریشم و کمخواب ہے سلمیٰ!
شبستانِ جوانی کا تو، اک زندہ ستارہ ہے!
تو اس دنیا مین بحرِ حسنِ فطرت کا کنارا ہے!
تو اس سنسار مین، اک آسمانی خواب ہے سلمیٰ!

جہانِ قدس کا تو ایک نورانی فسانہ ہے!
تجھے سلمیٰ! ادیارِ ناز کی اک ساحرہ کہئیے!
صنم آبادِ عفت کی، مقدس کافرہ کہئیے!
ربابِ حسن کا تو ایک الہامی ترانہ ہے!
پرستانِ لطافت کی، تو، اک رنگین کہانی ہے!!
جوانِ فطرت کا تو، اک گم شدہ خوابِ جوانی ہے!!!

اختر شیرانی

"التجا"

اک روز زندگی سے جو مین تنگ آ گیا
کی بارگاہِ حسن مین مینے یہ التجا

(۱)

اے خالقِ اُمید تمناؤن کے خدا
اے لاشریکِ حسن محبت کے کبریا!

اے مرکزِ خیال تصور کے کارساز
اے سجدہ گاہِ اہلِ نظر، قبلۂ رضا!

اے صورتِ نشاط، معانیٔ انبساط
اے مقصدِ حیات، عبادت کے مدعا!

اے زہرہ جمال مہِ آسمانِ حسن
اے جنتِ نگاہ، طلسمِ خدا نما!

اے زندگیٔ رونقِ بازارِ زندگی
اے مدعائے حاصلِ الفاظِ مدعا!

اے ساربانِ قافلۂ رہروانِ شوق
اے ناخدائے کشتیٔ طوفان آشنا!

اے باغبانِ گلشنِ ارمان و آرزو
اے پاسبانِ خواہشِ اربابِ جنبوا!

اے روشنیٔ قلب سکونِ غمِ فراق
اے نورِ لایزال، فریبِ لبِس انا!

(۲)

کچھ یاد ہین تجھے وہ زمانے کی گردشین
جب چشمِ سحر کار نہ تھی عشق آشنا

تھا انفعالِ شرم باعثِ توہینِ کمسنی
اور رنگِ عشوۂ ناز نہ تھا واقفِ حیا

ہر چیز کا مذاق تھا ہر بات کی ہنسی
اور تب ستون سے نہ تھے دور آشنا

ہر شے نئی نئی تھی نئی خواہشات تھین
لہو و لعب عزیز تھے طفلی کا دور تھا

ہر رنگ مین خوشی تھی یہ دنیا بہشت تھی
"دار النشاط" نام اسی غمکدہ کا تھا

مفہومِ غم سمجھ مین نہ آتا تھا اسلئے
دنیا کے ہر الم کو ہنسی مین اڑا دیا

آخر سکون نواز یہ منظر بدل گیا
دیکھا جو غور سے تو تماشہ ہی اور تھا

(۳)

خاموش بڑھ رہی تھی لہو مین نمو کی موج
شعلے بھڑک چلے تھے رگون مین ذرا ذرا

آنکھوں مین آ چلی تھین جوانی کی سرخیان
عارض پہ بہ چلا تھا پسینہ گلاب سا

شانے بھی ہو رہے تھے جوانی کا آئینہ
چولی بھی کھنچ رہی تھی بتدریج کچھ سوا

باتین بھی رفتہ رفتہ ہوئی جا رہی تھین نرم
نظرین بھی جھک چلی تھین پئے کششِ حیا

لہجہ مین بھی نسائی لچک آ چلی تھی کچھ
طرزِ خرام سیکھ رہا تھا کوئی ادا

کم ہو رہا تھا خندۂ آزادِ دلِ بدن
لب کر چلے تھے صرف تبسم پہ اکتفا

لیکن ہنوز قلب شباب آشنا نہ تھا
بے ربط لرزشون سے اُسے واسطہ نہ تھا

(۴)

ناگاہ ایک آگ سی دل مین بھڑک اُٹھی
رگ رگ کو جس نے مخزنِ شعلہ بنا دیا

نذرِ سکون دیکھ لیا حسن عشق سے
ہر دو طرف طلسم نے یکسان اثر کیا

ٹکرا گئین نگاہ، شرارے اُچھل پڑے
دل جل کے بجھ گیا تو جگر سے دھواں اُٹھا

بجلی سی ایک کوند گئی روح کے قریب
سوئے ہوئے شباب کو کوئی جگا گیا

چبھنے لگا کسی کا رگِ جان مین نیشتر
احساسِ ناز مین کوئی چٹکی سی لے گیا

دنیائے حسیات مین ہلچل سی مچ گئی
دریائے خواہشات مین سیلاب اُٹھا

سینہ مین اضطراب کی پہلی خلش ہوئی
ہوش و خرد کو تجربہ اولین ہوا

جاگا نصیبِ عشق" ستارون نے کہدیا!
محکومِ شاہِ حسن ہوئی گردشِ سما!

(۵)

اک بیخودی کی دور تھا اور بیخودی کا رنگ
ہر چیز جھومتی تھی ہر اک شے مین رقص تھا

بہکین لگی ہوئی تھین بہم ارتباط کی
ارمان شباب تھے امنگون کا جوش تھا

احساس جیسے کا تھا کوئی کہربا کی موج
دونون جھکے تھے واقفِ لذاتِ مدعا

چشمک تھی کا لطف تھا، ملکین زبان تھین | یعنی گفتگو مین معانی کا رنگ تھا
کرتی تھین سو طرح نگہِ ناز منتین | دم بھر کے واسطے جو کوئی ہو گیا خفا
آپس مین چھیڑ چھاڑ کے یون سلسلے بڑھے | بگڑا اگر کوئی تو کوئی مسکرا دیا
ہر روز روزِ عید تھا، ہر شب شبِ برات | بیداریون مین لطف تھا، نیندون مین کیف تھا

پامالِ کار یہ بھی فلک کو برا لگا
اب آنکھ جو کھلی تو زمانہ ہی اور تھا

(۶)

دنیا سیاہ پوش تھی، تاریک تھا جہان | ذرون مین کائنات کے اک حشر تھا بپا
دھندلی سی ہو گئی تھی نگاہون مین چاندنی | سورج کی روشنی مین نہ وہ کیفِ نور تھا

تنہا یہان پسند تھین، خاموشیان عزیز | سونا خیال و خواب تھا، رونے کا شغل تھا
دل مین خلش تھی، روح مین سوزش، جگر مین ٹیس | آنکھون مین اشک تھے، تھی لبون پہ یا خدا
دنیا کے کاروبار مین بے رونقی سی تھی | ہر شے پہ چھا گئی تھی اداسی خزان نما
ہر دم کسی خیال مین رہتا تھا ہچکیان | ہر وقت سامنے تھا کوئی نقشِ دلربا
پہرون ضمیرِ عشق نے کی ہین مناجتین | بھولے سے گر خیال کبھی مسکرا دیا
آخر یہ تنگ آ کے خدا سے کیا سوال | یا رب حصولِ خلقتِ انسان ہے کیا؟
تھی بات جو اب سمجھ دل تڑپ کے اٹھا | گفتا کہ ہوشدار سکون آ رہا تھا!

در کارخانۂ کہ رہِ عقل و علم نیست
وہمِ ضعیف و رائے فضولی کند چرا؟

طالب باغپتی

ترانۂ دل

بیگانۂ راحت ہون، لبریزِ شکایت ہون | چھیڑے نہ کوئی مجھکو مین سازِ محبت ہون!
اک پردۂ رازِ غم، اک موجِ گدازِ غم! | سوزِ جگرِ پروانہ، شمعِ سرِ تربت ہون!
مشتاقِ جفا ہون، مجبورِ وفا ہون مین! | تو نغمۂ عشرت ہے، مین غم کی حکایت ہون!
ساقی ہون نہ محفل ہون، خندان ہون نہ خوشدل ہون | اک سوز کا پیکر ہون، اک درد کی صورت ہون!
دیکھے نہ کوئی مجھکو اپنا سا بنا دون گا | مین غمکدۂ دل کا آئینۂ حیرت ہون!
ہون ذوقِ مسرت کے مفہوم سے بیگانہ | مین نالۂ عبرت ہون، مین نغمۂ حسرت ہون!

کیونکر مین کہون کیا ہون، راز ایک تماشا ہون!
سودائی ہون، مجنون ہون، آوارۂ وحشت ہون!

جمیل بنگش راز کوہاٹی

غزلیات

افسر امروہوی

تمھین افشائے رازِ عشق کا شکوہ ہے کیون مجھسے
مین اپنے ہوش مین کب تھا جو کہہ دیتا کبھی دل کی

زمانہ غیر، دشمن آسمان قسمت مخالف ہے
کرے گی اور کیا اس سے زیادہ دوستی دل کی

بالآخر یہ مآل اضطراب آرزو نکلا
کہ بے نکلی حدودِ زیست سے دیوانگی دل کی

نشانِ منزلِ مفقود کوسون تک نہین ملتا
کہان کھینچے لئے جاتی ہے مجھکو بیخودی دل کی

خلش زخمِ محبت کی نہ ہوگی کارگر کب تک
مٹا دے گی مجھے اختر کسی دن زندگی دل کی

ثاقب جالندھری

کیا امید کامیابی ہو کہ مقصد دور ہے
مجکو وہ منظور ہے جو ان کو نامنظور ہے

ظلم اوٹھاؤن اور پھر آمادہ شیون نہ ہون
کتنا دنیائے محبت کا برا دستور ہے

تم ستانا چھوڑ دو مین آہ کرنا چھوڑ دون
اپنی اپنی خو سے دنیا مین ہر اک مجبور ہے

غفلتون نے کر دیا کچھ بے نیاز جستجو
ورنہ کیا میری رگ گردن بھی مجھسے دور ہے

تم نے مجکو پھونک ڈالا شمع نے پروانے کو
کیا جہان کے حسن والون کا یہی دستور ہے

پھر اسی انداز سے ثاقب گری برق جمال
پھر تمنائی کوئی بالائے کوہ طور ہے

ریاض خیرابادی

سُن کے یہ قبلے سے ابر اٹھے تو ہے پینا ثواب
لٹ رہا تھا میکدے مین ہم نے بھی لوٹا ثواب

کچھ نہین اعمال دنیا کا ہے عقبےٰ ثواب
جو نہ کام آئے یہان کس کام کا ایسا ثواب

نزع تک قلقل سے رکھتی یاد اللہ اس لئے
پڑھ کے قل بخشی گی ہم کو قلقل مینا ثواب

پینے سے پہلے ہی کھانا تھا ہمین ساقی کباب
کر کے افطار آج ہم نے مے سے خود کھویا ثواب

کچھ ہو آب آتشین ہو چاہے آب سرد ہو
ہم ہین پیاسے جو پلائیگا وہ پائیگا ثواب

پی کے مے ذکر خدا شکر خدا یاد خدا
ہے ہمارے واسطے شغل مے دینا ثواب

ایک دن تو خواب مین آتا لئے جام طہور
پڑھ کے قرآن عمر بھر ہم نے جسے بخشا ثواب

راہ سے کعبے کی ہم نے ریزۂ مینا چُنے
کیا عجب اسکی عوض ہم کو ملے حج کا ثواب

روز عید ایسا کوئی امید والا ہے ریاضؔ
ایک چلّو دے کے مے لے تیس روزونکا ثواب

شمیمی بی اے

میری نظر کی طرح اب اس جلوہ گاہ مین
تم بھی بھٹک رہے ہو ہجوم نگاہ مین

تھی اک نگاہ وہ ترے جلوؤن مین کھو گئی
اب تو نہین حجاب کوئی رسم و راہ مین

ہے دلفریب اُن کی اداؤن سے بھی سوا
تجدید رنگ حسن ہجوم نگاہ مین

اک برق بن کے دوڑتی ہے عشق کی تڑپ
میرے حریم دل مین تمھاری نگاہ مین

خود رحم مجھ کو شان کریمی پہ آ گیا
ورنہ دھرا ہی کیا تھا نوائے گناہ مین

ملتے ہی آگ شاخ تمنا مین لگ گئی
کیا بجلیان بھری تھین تمھاری نگاہ مین

مین نے کہا یہ ایک دن اے حسن بے خبر
ق
غم کھائے جا رہا ہے مجھے تیری راہ مین

کیا میرے اضطراب کا کچھ بھی اثر نہین
کیا درد کچھ نہین مری فریاد و آہ مین

آئی صدا وہ حسن ہون مین جس کی انجمن
ڈوبی ہوئی ہے پرتو خورشید و ماہ مین

کیا تیری آہ کیا غم دنیا کی آفتین
ان کا گزر نہین ہے مری جلوہ گاہ مین

فرخ بنارسی

نہ پہونچین گی نگاہین جلوۂ حیرت تقاضا تک
اُٹھا دے دیکھنے والے حجاب چشم بینا تک

فریبِ التفاتِ حسن کی نیرنگیان توبہ
ہزارون رنگ دل کے ہو گئے خونِ تمنا تک

جنون مین جب قدم پہلے پہل گھر سے نکالا تھا
عجب عالم نظر آتا تھا آبادی سے صحرا تک

مٹے جب تک نہ دل بیتابیِ دل مٹ نہین سکتی
کہ مد و جزرِ دریا ہے بقائے موج دریا تک

بچھا رکھا ہے دام ایسا فریب زندگی تو نے
گوارا کر رہے ہین ہم خوشی سے ناگوارا تک

فریب نفس کے باعث ہین غافل کتنے ہین ورنہ
ادا کرتا ہے اپنا فرض ہستی ذرہ ذرا تک

لرزتا ہے ابھی سے دل مزاج یار برہم ہے
یہ عالم ہے تو کیا گزرے گی اظہار تمنا تک

اُلجھ کر رہ گئی فرخ حجاباتِ مظاہر مین
نگاہ نارسا پہونچی نہ حسن بے تماشا تک

معلومات

تصاویر متحرکہ تار پر

ڈاکٹر زوری کن نیو امریکہ کا باشندہ ہے ایک عجیب وغریب آلہ تیار کیا ہے جس کے ذریعہ سے تصاویر متحرکہ تار کے ذریعہ سے منتقل ہو سکینگی۔ سب سے بڑی دقت تصاویر متحرکہ کے منتقل کرنے مین یہ ہے کہ جس رفتار سے سینما مین یہ تصویرین دکھائی جاتی ہین اُس رفتار کا قیام اس طور سے کہ ٹھیک اسی وقفہ کے ساتھ روشنی اور تصویر کے بعد دیگرے تار پر منتقل کی جائین مشکل ہے۔ لیکن ڈاکٹر موصوف نے اسکی یہ تدبیر کی ہے کہ پردہ کو بہت سے حصون مین تقسیم کر دیا ہے ان مین کا ہر حصہ صحیح مقدار روشنی کی حاصل کر کے ایک مکمل تصویر پیش کر سکیگا یہ حقیقتاً دنیائے اختراع کا عجیب وغریب واقعہ ہے کہ تار کے ذریعہ سے اس روشنی کو منتقل کیا جائے جو ایک تصویر کے نمایان کرنے کے لئے درکار ہوتی ہے اس سے قبل ایک انگریزی سائنسدان مسٹر بیرڈ اس قسم کی کوشش کر چکے ہین اور انکو ایک حد تک کامیابی بھی ہو چکی ہے لیکن امریکہ کے اس ڈاکٹر نے اس مسئلہ کو اس حد تک مکمل کر دیا ہے کہ اب نیو یارک مین بیٹھکر ڈربی کی گھوڑ دوڑ دیکھ لینا قطعی ممکن ہو گیا ہے۔

نہ جلنے والے درخت

جرمنی مین اس امر کی کوششین کی جا رہی ہے کہ لکڑی کو آگ کے اندیشہ سے آزاد کر دیا جائے چنانچہ حال ہی مین وہان ایک قسم کی معدنی چیز دریافت کی گئی ہے جو درختون کے اندر پچکاری کے ذریعہ سے پہونچائی جاتی ہے جس سے وہ بڑی حد تک ناقابل احتراق ہو جاتے ہین۔۔ درختون کے تنون مین جڑ کے قریب چھوٹے چھوٹے سوراخ کر دیتے جاتے ہین اور وہ دوا ان سوراخون کے ذریعہ سے اندر پہونچائی جاتی ہے رفتہ رفتہ درخت کے تمام ریشون مین اس دوا کا اثر دوڑ جاتا ہے۔

ممالک مغرب مین بعض درخت اسقدر قیمتی ہوتے ہین کہ اگر ان کے جنگل مین آگ لگ جائے جو بڑی حد تک ممکن الوقوع ہے تو کرورون روپیہ کا نقصان ہو جاتا ہے۔ اسوقت تک ایسے جنگلون کی حفاظت کے جتنے طریقہ استعمال کئے گئے وہ مفید ثابت نہین ہوئے اسلئے اب انھون نے مجبور ہو کر اس امر کی کوشش کی کہ خود درخت آگ کے خلاف اپنی حفاظت کر سکین۔

آفتاب کی حرارت پر انسانی تصرف

کیا آفتاب کی حرارت پر ہمین اتنا اقتدار حاصل ہو سکتا ہے کہ ہم اس سے اپنے گھر اور صناعی کے کامون مین مدد لے سکین۔ اسوقت دو مشہور سائنس دان نہایت بڑے بڑے آتشی شیشون کی مدد سے اس کا تجربہ کر رہے ہین۔ ہر چند اس سے قبل اس کے تجربات ہو چکے ہین لیکن کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوئی تھی۔ اب بہت زیادہ وسیع پیمانہ پر اس کو شروع کیا گیا ہے

ایک صورت یہ اختیار کی گئی ہے کہ بہت سے آتشی شیشہ اس ترکیب سے رکھے گئے ہین کہ ان سب کا مرکز شعاع ایک ہی حصہ پر گرمی پہونچائے اور یقین کیا جاتا ہے کہ اس طریقہ سے اتنی حدت آفتاب کی حاصل ہو سکے گی کہ لوہے کا ایک ٹکڑا آسانی کے ساتھ پگھل جائے گا۔ اگر یہ تدبیر تکمیل کی حد تک پہونچ گئی تو اس مین شک نہین کہ لاکھون روپیہ کا صرف ہر کارخانہ کو بچ جائیگا۔

ریل کے تصادم سے بچنا

اسپین مین ایک لاسلکی آلہ حال ہی مین اس قسم کا ایجاد ہوا ہے کہ اسنے ریلون کے تصادم کو ناممکن کر دیا ہے۔ یہ آلہ انجن ڈرایور کی گاڑی مین لگا دیا جائیگا۔ جسوقت کوئی گاڑی سامنے سے آتی ہوگی تو یہ آلہ پوری توت کے ساتھ الارم کی گھنٹی بجائیگا اور نہایت تیز سرخ روشنی پیدا کریگا جو میلون پہلے آنے والی گاڑی کے ڈرایور کو خبردار کر دیگی۔

سب سے ہلکی دہات

تسہیوم سب سے زیادہ ہلکی معدنی چیز ہے اس کا ثقل نوعی پانی سے نصف ہے اور اسی لئے وہ پانی مین تیرتی ہے اس کا رنگ چاندی کی طرح ہوتا ہے اور نرمی مین سیسہ کے مانند۔ دوسری دہاتون سے بہت جلد مل جاتی ہے اور آگ کو فوراً قبول کر لیتی ہے۔ اسوقت تک یہ دہات بہت قیمتی سمجھی جاتی تھی اور ایک پونڈ کی قیمت ۵۰ گنی ہوتی تھی کیونکہ اس کے حاصل کرنے مین بہت صرف ہوتا تھا لیکن اب نیویارک کے ایک ڈاکٹر نے ایسا آسان طریقہ اسکے حصول کا دریافت کیا ہے کہ اس کی قیمت بجائے پچاس کے تین گنی فی پونڈ رہ گئی ہے۔ جب یہ دہات ہلیوم گیس مین ملادی جاتی ہے تو اسکی قوت رافعہ پندرہ فیصدی بڑھ جاتی ہے اور ہوائی جہازون کے طیران مین بہت مدد ملتی ہے۔

آگ بجھانے کے آلات مین ایک اضافہ

آگ بجھانے کے لئے بلاد انگلستان مین جو آلات استعمال کئے جاتے ہین اُن مین ایک ضروری چیز سیڑھی بھی ہے جو بہت لمبی ہوتی ہے۔ اس سیڑہی کے ذریعہ آگ بجھانے والے بلند چھتون پر پہونچ جاتے ہین اور لوگون کی جان اور مال بچاتے ہین لیکن ایک خرابی اسمین یہ تھی کہ انکو اس بات کا پتہ نہین چلتا تھا کہ مکان کے کس حصہ مین ہمکو پہلے پہونچنا چاہئے اور کہان کہان لوگ زیادہ خطرہ مین ہین۔ اب اس نقص کے دور کرنے کے لئے سیڑھی کے سرے پر ٹیلیفون لگا دیا گیا ہے جس کے ذریعہ سے مکان کے لوگ آگ بجھانے والون کو ہدایت کر سکین گے کہ انکو کس جگہ جلد پہونچنا چاہئے۔ چونکہ آگ لگنے کے ہنگامہ مین کوئی شخص کسی کی آواز یون نہین سن سکتا اس لئے ٹیلیفون کا اضافہ زیادہ مفید وکارآمد ثابت ہوگا۔

شخصیت کی تحقیق معدہ سے

اسوقت تک مجرمون کی شناخت اُن کی انگلیون کے نشان سے ہوتی ہے لیکن آئندہ معدہ کی تصویر سے شناخت کا کام کیا جائیگا۔ کیلیفورنیا یونیورسٹی مین ڈاکٹر روبرٹ موڈی اس مسئلہ پر طلباء کو لکچر دے رہے ہین اور انھون نے ثابت کیا ہے کہ ہر شخص کی معدہ کی ساخت دوسرے سے مختلف ہوتی ہے اسلئے اگر اکس ریز کے ذریعہ سے ایک شخص کے معدہ کی تصویر لے لی جائے تو ہم ہمیشہ اس کو پہچان سکتے ہین

چورون کی گرفتاری کا نیا طریقہ

لندن کی پولیس بہت کامیاب پولیس سمجھی جاتی ہے اور چونکہ وہان کے چور بھی بہت زیادہ ہوشیار ہوتے ہین اسلئے پولیس کو گرفتاری کے نئے خاص خاص تدابیر سے کام لینا پڑتا ہے سب سے زیادہ دقت وہان چورون کی گرفتاری مین یہ پیدا ہوتی ہے کہ پولیس کے پہونچتے پہونچتے وہ موٹرون پر سوار ہو کر غائب ہو جاتے ہین اس مشکل کو دور کرنے کے لئے وہان کی پولیس کو ٹینس کے گیند کے برابر قمقمے دیئے گئے ہین جن کے اندر جلد سوکھ جانے والا رقیق مادہ بھرا ہوتا ہے۔ جب کوئی چور اس مین سوار ہو کر بھاگتا ہے تو پولیس والا قمقمہ موٹر پر کھینچ مارتا ہے۔ جسوقت یہ قمقمہ ٹوٹتا ہے تو اس سے نہایت تیز بو پیدا ہوتی ہے اور وہ رقیق مادہ موٹر پر کانچ کی طرح جم جاتا ہے اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ موٹر تھوڑی دور آگے چل کر روک دیا جاتا ہے اور دوسرے پولیس والے چورون کو گرفتار کر لیتے ہین۔

بحر و بر کے درمیان سلسلۂ لاسلکی

لاسلکی خبر رسانی کی ایجاد کو زیادہ زمانہ نہین گزرا، مگر اب اس کا استعمال عام ٹیلیفونون کی طرح کثرت سے ہونے لگا ہے اور آیندہ ترقیون کا سلسلہ بھی جاری ہے، چنانچہ اسی سلسلہ مین ایک کوشش یہ ہو رہی تھی کہ خشکی و تری کے درمیان بھی اسکا سلسلہ جاری کر دیا جائے تاکہ بحر اٹلانٹک مین سفر کرنے والا ایک تاجر اپنے نیویارک کے دفتر کو جہاز مین بیٹھے بیٹھے ہدایتین کر سکے، اب یہ تجویز پورے طور پر کامیاب ثابت ہو گئی ہے، اور امریکہ نے اس کے اجراء کا اعلان کر دیا ہے، چنانچہ نیویارک کی "ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کمپنی" کے صدر مسٹر جفرڈ نے امریکہ کے ایک جہاز "لویاتھان" سے اسی طرح گفتگو کی، یہ جہاز یورپ جا رہا تھا، اور اگرچہ گفتگو کے وقت امریکہ کے ساحل سے صرف ۲۰۰ میل کے فاصلہ پر تھا، لیکن خیال ہے کہ اس مین فاصلہ کی کمی و بیشی ناقابل لحاظ ہے کیونکہ یہ گفتگو جس طرح ۲۰۰ میل کے فاصلہ سے ہو سکتی ہے اسی طرح ۱۵۰۰ میل کے فاصلہ سے بھی ممکن ہے، مسٹر جفرڈ نے توقع ظاہر کی ہے کہ عنقریب دنیا کے ہر بڑے جہاز مین لاسلکی کا یہی سلسلہ قائم ہو جائیگا تاکہ خشکی و تری کی تفریق قایم نہ رہے

رسالہ جن نہ خریدیے لیکن کم از کم اسکے مضامین کی فہرست تو دیکھ لیجیے

مارچ، اپریل اور مئی کے پرچون مین حسب ذیل مضامین شائع ہوئے ہین۔ تنویم۔ غیر معمولی تمثیل۔ بھوت پریت۔ خواب کی دنیا۔ مقناطیسیت اور جسم بیجان۔ مسمریزم۔ حقیقت پس پردہ۔ روحانی تحقیقات کی تاریخ۔ مسئلہ تناسخ۔ کیا ہم مردون سے باتین کر سکتے ہین۔ ایکٹرانی کی روح۔ مشاہدات و تجربات۔ اقتباسات ——— سالانہ چندہ عہ، ششماہی خریداری کا قاعدہ نہین ہے۔ "منیجر نگار"